PDF Compressor Free Version

ستمبر
2019

ماہنامہ انٹرنیشنل

لاہور

چیف ایڈیٹر
محی الدین عباسی

ایڈیٹر
منزہ خان

بیک وقت ’’انگریزی‘‘ اور ’’اردو‘‘ زبان میں لندن سے شائع ہوانے والا جریدہ

یومِ دفاعِ پاکستان

مادرِ وطن کے شہداء کو سلام

صفحہ نمبر 6

www.lahoreinternational.com

PDF Compressor Free Version

Guru Nanak Dev Ji's 550th Birthday Celebration

JOURNEY TO KARTARPUR & SULTANPUR LODHI
for WORLD PEACE

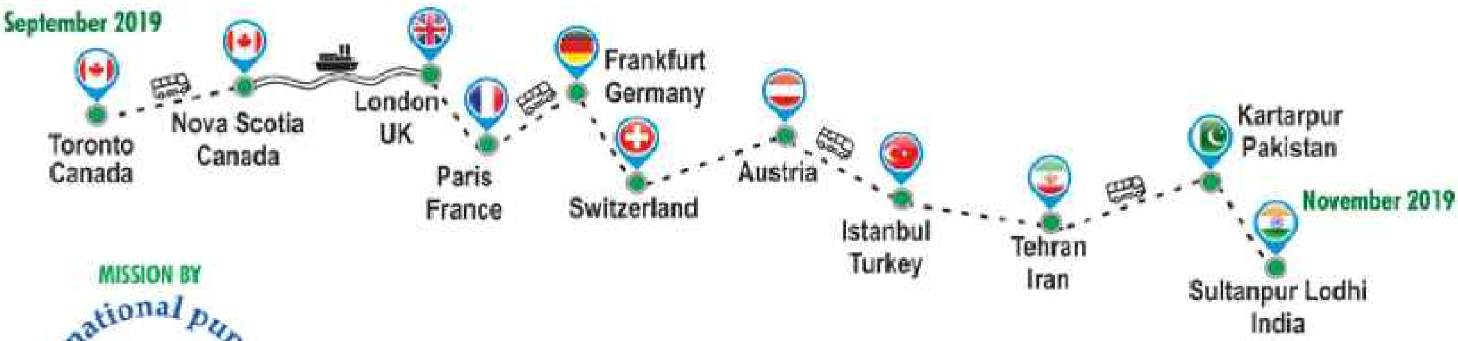

MISSION BY
international punjabi foundation
ipf
ipfcanada.org

Sponsored by
JobsInGTA.com

For sponsorships info
001-437-770-1313

JobsInGTA

- Search jobs
- Apply easily
- Get hired quickly

Sign up, create your profile and start applying... **IT'S THAT EASY!**

www.JobsInGTA.com

PDF Compressor Free Version

اس شمارہ میں

درس القرآن 04

اداریہ 05

پاکستان کے جانباز ہیرو 06

ایک جنگ ہوگی اور بس۔۔۔! کشمیر آزاد ہو جائے گا 09

پانچ کام جو ریاست ہی کرسکتی ہے 11

ضیاء زندہ ہے 13

دلہن سے نائیکہ تک 14

تعلیم: غیر اہم ترجیح 15

کراچی کی کچرا سیاست۔۔۔ حکومت اور بلدیاتی اداروں کی نااہلی 17

وادی سندھ کی تہذیب سے متعلق خوش خبری 20

ایک سبق آموز نصیحت 22

مولانا مودودی کے بیٹے کی کتاب اور انکشافات 24

اور جہاز پھٹ گیا 26

اصلی 'ٹھگز آف ہندوستان' کون تھے، تاریخ کیا کہتی ہے؟ 29

الگورتھم ریاضی میں کہاں سے آیا اور کس کو کہا جائے اس کا موجد؟ 33

2018 کا امن کا نوبل مشترکہ طور پر دولتِ اسلامیہ کے ہاتھوں بربریت کا شکار ہونے والی یزیدی خاتون اور کانگو کے ڈاکٹر کے نام 34

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ریاست مشی گن میں ناروے 36

اردو کو زندہ کرنے کے لئے ہمیں ہی کوشش کرنی ہے 37

انڈین آر ایس ایس کے بارے میں ہم کتنا جانتے ہیں؟ 41

ریاست مدینہ کے خدوخال 44

سائنس اور مذہب کا ٹکراؤ: اصل غلطی کس کی ہے؟ 50

کشمیر کمیٹی ایک پرانی کہانی 52

ہٹلر تو ہم بھی ہیں 55

رفعت عباس: سرائیکی ادب کا تابندہ ستارہ 58

اردو کے حرفِ تہجی کی صحیح تعداد کا مسئلہ 60

اردو زبان امریکہ میں بن رہی ہے؟ 62

شعر و شاعری 63

عشق کے مسافر 65

ADVERTISEMENT TARIFF
(Effective : January 01, 2018

	Monthly	Quarterly	Half Year	Yearly
Full Page	150	420	800	1530
Half Page	90	250	540	920
Quarter	50	140	270	510

(Price in UK Pound Currency)

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ

ھُوَالــــــــــــناصر

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

ماہنامہ انٹرنیشنل

لاہور

علمی، ادبی، سیاسی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلہ

جلد 2 شمارہ نمبر 9 محرم 1441 ستمبر 2019

زیر انتظام : عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و چیف ایڈیٹر
محی الدین عباسی

ایڈیٹر
حمزہ خان

انچارج بزم خواتین
بشریٰ بختیار خان

انچارج گوشۂ ادب
مدثرہ عباسی

انچارج بزم اطفال
عیشۃ الراضیہ عباسی

ہمارے نمائندگان

سید مبارک احمد شاہ (ناروے)
+47-91698367

عرفان احمد خان (جرمنی)
+49-1711974701

ظہیر الدین عباسی (جرمنی)
+49-15212005548

محمد سلطان قریشی (کینیڈا)
+41-64333112

بلال طاہر (کراچی، پاکستان)
+92-3327051887

حاجی میاں محمد وقار یعقوب
(نمائندہ جنوبی پنجاب پاکستان)
+93-300-6912-273

روحان احمد طاہر (پاکستان)

چوہدری مقبول احمد (بھارت)
+91-9988489365

امن الامین (برطانیہ)
+44-7940077825

قیمت فی شمارہ: 2 پاؤنڈ

website: lahoreinternational.com

اپنی قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں:

lahoreintlondon@gmail.com

m.abbasi.uk@gmail.com

ماہنامہ لاہور میگزین انٹرنیشنل آپ کا اپنا رسالہ ہے۔
اس کی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ لیجئے۔

PDF Compressor Free Version

درس القرآن

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۔(سورۃ الذّاریات: 2 تا 5)

ترجمہ: قسم ہے (بیج) بکھیرنے والیوں کی۔ پھر بوجھ اٹھانے والیوں کی۔ پھر سبک رَوی کے ساتھ چلنے والیوں کی۔ پھر کوئی اہم امر بانٹنے والیوں کی۔

(الذّاریات سورۃ ترجمہ اور تفسیر حضرت مرزا طاہر احمد صفحہ 945/886)

آئندہ جنگوں کی پیشگوئی

الذّاریات :اس سورت کے آغاز ہی میں گزشتہ سورتوں کی پیشگوئیوں کو جن میں جنت وجہنم وغیرہ کی پیشگوئیاں شامل ہیں اتنا یقینی بیان فرمایا گیا ہے جیسے قرآن کے مخاطب آپس میں باتیں کرتے ہیں۔

اس سورت کریمہ میں آئندہ زمانہ میں پیش آمدہ جنگوں کو پھر بطور گواہ ٹھہرایا گیا تا کہ جب بنی نوع انسان ان پیشگوئیوں کو یقینی طور پر پورا ہوتا دیکھ لیں تو اس بات میں کوئی شک نہ رہے کہ جس رسول پر یہ غیب کھولا گیا، مرنے کے بعد کی زندگی کے امور بھی یقینی طور پر اسے عالم الغیب اللہ نے بتائے۔

فرمایا: ”قسم ہے بیج بکھیرنے والیوں کی......“۔ اب ظاہری طور پر لفظاً لفظاً بھی یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے کیونکہ واقعی آجکل ہوائی جہازوں اور بجلی کا پٹروں کے ذریعہ بیج بکھیرے جاتے ہیں اور بہت بڑے بڑے بوجھ اٹھا کر جہاز اُڑتے ہیں اور باوجود ان بوجھوں کے سبک رَو ہوتے ہیں اور اہم اطلاعات ان جہازوں کے ذریعہ مختلف غالب قوموں کو بھی پہنچائی جاتی ہیں اور مغلوب اور مقہور قوموں کو بھی۔ ان سب کو گواہ ٹھہرا کر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ یقیناً ہو کر رہنے والا ہے اور جزا سزا کا دن یعنی فیصلے کا دن دنیا میں دنیاوی قوموں کے لئے بھی ہوگا اور آخرت میں تمام بنی نوع انسان کے لئے بھی۔

اس کے بعد یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ بیج بکھیرنے والیاں اور بوجھ اٹھانے والیاں کوئی زمین پر بوجھ اٹھا کر چلنے والی چیزیں نہیں ہیں بلکہ آسمان پر اُڑنے والے وجود ہیں۔ چنانچہ اس آسمان کو گواہ ٹھہرایا گیا جو فضائی رستوں والا آسمان ہے۔ چنانچہ آج نظر اٹھا کر دیکھیں تو ہر جگہ جہازوں کے رستوں کے نشان ملتے ہیں۔ پس ان سب امور کا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ تم آخرت کا انکار کر کے شدید گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو۔ اگر نعوذ باللہ یہ باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں کسی انگل پچو مارنے والے کی باتیں ہوتیں تو انگل پچو سے کام لینے والے تمام ہلاک ہو گئے مگر یہ رسولؐ ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔

الدُّخان: اس سورت کا نام ”“ رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جن اندھیروں کا وہ شکار ہیں ان کے بعد تو کوئی رحمت کی صبح نہیں پھوٹے گی بلکہ وہ اندھیرے ان کے لئے دخان کی طرح ان کا عذاب بڑھانے کا موجب بنیں گے۔ اس جگہ دخان سے ایٹمی دھوئیں کی طرف بھی اشارہ مراد ہو سکتا ہے جس کے سائے کے نیچے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہ سکتی بلکہ طرح طرح کی ہلاکتوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جدید سائنسدانوں کی طرف سے یہ تنبیہ ہے کہ ایٹمی دھوئیں کے سائے کے نیچے زندگی کی ہر قسم مٹ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے اندر دفن جراثیم بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اے اللہ! اس نہایت دردناک عذاب کو ہم سے ٹال دے۔ یہاں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ اس قسم کا عذاب وقفہ وقفہ سے آئے گا۔ یعنی ایک عالمی جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے بعد کچھ عرصہ مہلت دی جائے گی، اس کے بعد پھر اگلی عالمی جنگ نئی ہلاکتیں لے کر آئے گی۔

سورۃ الدُّخان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا تھا کہ اس کی پیشگوئیوں کے ظہور کا زمانہ دجّال کے ظہور سے تعلق رکھتا ہے۔

PDF Compressor Free Version

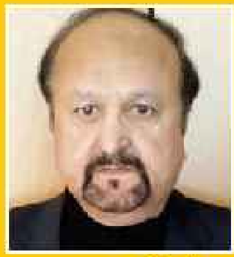

اداریہ

مدیر اعلیٰ: محی الدین عباسی

پانچ بڑی طاقتوں کی اقوام متحدہ پر اجارہ داری

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کامیابی کہ اقوام متحدہ میں سلامتی کونسل کے اجلاس میں برطانیہ، چین اور روس نے پاکستان کا ساتھ دیا۔ دوسری طرف انڈیا نے روس پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس اجلاس کو بلانے کی مخالفت کرے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ مشاورتی اجلاس 16 اگست 2019ء کو منعقد ہوا۔ اس بند کمرے کے اجلاس کے خاتمہ کے بعد سب سے پہلے چین کے نمائندہ سفیر نے کہا کہ کشمیر میں حالات بہت کشیدہ اور خطرناک ہیں اور یہ کہ سیکورٹی کونسل کے ممبرز کا عمومی خیال ہے کہ پاکستان اور انڈیا کو کشمیر میں یکطرفہ کارروائی سے گریز کرنا چاہیئے۔ سلامتی کونسل کا طریقہ کار ہے کہ پہلے کونسل کے 5 بڑے بند کمرے میں اکٹھے ہوتے ہیں اور صلاح مشورہ کرتے ہیں کہ اس معاملے کو کیسے آگے بڑھایا جائے۔ پھر اس پر بات ہوگی اور بحث ہوگی۔ خفیہ طور پر 5 بڑے ممالک مل کر صلاح مشورہ کرتے ہیں کہ نتیجہ کیا نکالنا ہے۔ اسی وجہ سے اسے 5 بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل بھی جنگی صورت حال کے پیش نظر مسئلہ کشمیر پر دونوں ممالک کے درمیان سلامتی کونسل نے ایک کمیشن بنایا تھا لیکن نتیجہ کچھ نہیں۔ سلامتی کونسل کو جہاں ایکشن لینا ہوتا ہے وہاں لیتی ہے۔ جیسا کہ "پیس اینڈ سیکورٹی" کا مسئلہ بنا کر عراق کو تباہ کر دیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا وہاں نہ تو بڑے درجے پر تباہی کرنے والے ہتھیار تھے اور نہ ہی وہ "پیس اینڈ سیکورٹی" کا مسئلہ نکلا۔ ایسا ہی دیگر کئی اسلامی ممالک کے ساتھ واقعات پیش آچکے ہیں۔ لہٰذا میری ذاتی رائے کے مطابق یہ عالمی ادارہ اپنی ساکھ کھو چکا ہے۔ علاوہ ازیں جب اقوام متحدہ بنی تھی اُسے دنیا میں انسانیت کی بہترین امید کہا جاتا تھا لیکن اب یہ آخری بدترین امید کہلاتی رہے گی۔ اسی کے پیش نظر پاکستان نے عالمی عدالت جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اقوام متحدہ میں انڈین سفیر نے کہا کہ آرٹیکل 370 انڈیا کا اندرونی معاملہ ہے اور اس کو دونوں ممالک کے درمیان باہمی طور پر حل ہونا چاہیئے۔ یاد رہے انڈیا کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے جنوری 1952ء کو کلکتہ امرتیا بازار میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "کشمیر انڈیا اور پاکستان کی پراپرٹی نہیں ہے" یعنی یہ کشمیریوں کی ہے۔

کشمیر تنازعے کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی دونوں ممالک کی آزادی کی۔ اس دوران دونوں ممالک میں 2 جنگیں بھی ہو چکی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ زیادہ تر ریاستوں کے مہاراجوں نے آبادی کی خواہشات کی بنا انڈیا پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ اگر کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی اکثریتی ریاست جو مسلمانوں پر مشتمل تھی کے آزاد رہنے کو اپنی ترجیح دی۔ اندرونی بغاوت اور پاکستان کے مسلح قبائلیوں کی دراندازی کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے فوجی امداد کی اپیل کی جو انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ جب تک ریاست انڈیا سے الحاق کا فیصلہ نہیں کرتی تب تک وہ کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اب متحدہ ہندوستان کے وائسرائے نہیں بلکہ انڈیا کے گورنر جنرل ہیں۔ یاد رہے آزادی سے قبل برطانوی وزیر اعظم نے دونوں ملکوں کی تقسیم سے قبل قائداعظم اور گاندھی جی کو یہ آفر دی تھی کہ ہم گورنر جنرل منتخب کر دیتے ہیں لیکن قائداعظم کو یہ تجویز منظور نہ تھی۔ جس کے بعد انڈیا کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن رہے۔ نتیجتاً مہاراجہ ہری سنگھ نے 26 اکتوبر 1947ء کو اپنی ریاست کو انڈیا سے الحاق کی درخواست کی جس پر ماؤنٹ بیٹن نے قبول کر لیا اس شرط کے ساتھ کہ در اندازوں سے ریاست خالی ہونے پر ریاست کے مقدر کا فیصلہ اُسکی عوام کی خواہشات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس کے بعد انڈیا کی فوج کشمیر میں داخل ہو گی۔ دوسری طرف پاکستان نے بھی ایسا ہی قدم اُٹھایا۔ اسکے نتیجے میں 1949ء کو دونوں ممالک کے درمیان جنگ ہوئی اسکے بعد انڈیا کے پاس کشمیر کا دو تہائی حصہ اور پاکستان کے پاس ایک تہائی حصہ آیا۔

1965ء کی جنگ میں ہم کشمیر حاصل کر چکے ہوتے اگر ایوب خان جنرل اختر ملک کو تبدیل نہ کرتے۔ کمانڈ جنرل یحییٰ خان کو دے دی گئی جس کی وجہ سے یہ آپریشن بری طرح ناکام ہو گیا۔ اس واقعہ کا ذکر ہندوستان کے آرمی جنرل جو گندر سنگھ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ دیکھیں ڈان نیوز کی خبر www.dawn.com/news/1204925 وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس بارے میں کہا تھا کہ "اگر جنرل اختر ملک کو چھمب جوڑیاں سیکٹر پر نہ روکا گیا ہوتا تو انڈین آرمی کو کشمیر میں بری طرح پسپا ہونا پڑتا۔ لیکن ایوب خان اپنے چہیتے یحییٰ خان کو ہیرو بنانا چاہتے تھے۔"

بس اسکا حل یہی ہے کہ 1965ء جیسی جنگ ہو یا پھر کشمیر کی اندرونی تحریک اتنی زور پکڑ جائے کہ انڈیا اور عالمی برادری کشمیر کو آزادی دینے پر مجبور ہو جائے۔ آئندہ حالات دونوں ملکوں کے اندرونی اور بیرونی سطح پر مشکل ترین ہو جائیں گے۔

PDF Compressor Free Version

تحریر زکریا ورک، کینیڈا

پاکستان کے جانباز ہیرو

گلستان کو لہو کی ضرورت پڑی سب سے پہلے گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے اہل چمن یہ چمن ہے ہمارا، تمہارا نہیں

چھ ستمبر ۱۹۶۵ کے حوالے سے ہم پاکستان کے تمام شہیدوں، اور جانباز سرفروشوں کو سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے ارض وطن پاک سرزمین شاد باد کی حفاظت اور قیام کی خاطر اپنی جان کا سب سے بڑا نذرانہ پیش کیا۔ آیئے آج ہم سب اہل وطن متحد ہو کر لیفٹننٹ جنرل اختر حسین ملک، میجر جنرل افتخار جنجوعہ، جنرل عبد العلی ملک،، میجر جنرل عبداللہ سعید اور ان گنت فوجیوں کو سلام پیش کریں۔

میجر جنرل نذیر احمد ملک

آپ کا تعلق دولسیال سے تھا جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کو پاکستان آرمی کا پہلا جنرل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے قیام کے بعد بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان آرمی کی طرف سے پہلی سلامی دی گئی تھی اس پریڈ کے کمانڈر بھی آپ ہی تھے۔ آپ نے برطانیہ کی سینڈھرسٹ اکیڈیمی سے یکم ستمبر ۱۹۳۱ کو کمیشن حاصل کیا۔ آپ نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا اور انڈین آرمی آفیسرز کارپس کی فہرست میں آپ کا نام شامل تھا جو سر ظفر اللہ خاں نے پنجاب باؤنڈری کمیشن کو پیش کی تھی۔ کشمیر کی جنگ میں آپ کو ایک آرمی ڈویژن کی کمانڈ دی گئی تھی۔ حسد اور تعصب کی بناء پر آپ کو پنڈی سازش کیس میں ملوث کیا گیا اور صدر ایوب خاں نے آپ کو ریٹائر کر دیا تھا۔

لیفٹننٹ جنرل اختر حسین ملک
(م 22، اگست 1969)

پاکستان آرمی کے مقبول اور مشہور جنرل تھے۔ 1965 کی ہندو پاکستان کی جنگ کے وہ ہیرو تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت پنجاب کے گاؤں پنڈوری (ضلع اٹک سابقہ نام کیمبل پور) میں ہوئی تھی۔ گورنمنٹ کالج سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ انڈین آرمی میں شامل ہوئے، جلد ہی آپ کی غیر معمولی قابلیت اور عساکری جوہر کو پہچانا گیا اور ڈیرہ دون ملٹری اکیڈمی آفیسرز ٹریننگ کیلئے بھیج دیا گیا۔ جون 1941 کو آپ کو سیکنڈ لیفٹننٹ کے طور پر کمیشن مل گیا۔ اس کے بعد آپ کا تعین 16th پنجاب رجمنٹ میں ہوا۔ اپریل 1942 میں آپ کو کیپٹن کا عہدہ دیا گیا۔ اپنی بٹالین کے ہمراہ ستمبر 1945 میں آپ کو برما اور ملایا کے محاذ پر میجر کے طور پر بھیجا گیا۔ اعلیٰ فوجی خدمت کی بناء پر آپ کو برما سٹار سے نوازا گیا۔ اگست 1947 میں آپ تقسیم ہند کے موقعہ پر لیفٹننٹ کرنل کا عہدہ پا کر نوزائیدہ مملکت پاکستان کی آرمی میں شامل ہو گئے۔ 1956 میں بریگیڈیئر بنا دیے گئے۔

میجر جنرل اختر حسین حاضر دماغ، بے باک، صاف گو انسان تھے۔ وطن عزیز کیلئے آپ کی محبت لازوال تھی۔ آپ کے تحت کام کرنے والے تمام فوجی آفیسرز آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ کی جنگ کی حکمت عملی، فوجی داؤ چال کو سب تسلیم کرتے تھے۔ وہ ایک جری اور دلیر کمانڈر تھے جو دباؤ میں گھبراتے نہیں پرسکون رہ کر اپنے جوانوں میں اعتماد کی جوت جگاتے تھے۔ آپ ہی نے آرمی آپریشنز آپریشن جبرالٹر Operation Gibraltar اور آپریشن گرینڈ سلیم Operation Grand Slam کا خاکہ صدر ایوب

PDF Compressor Free Version

خاں کی منظوری سے تیار کیا تھا۔ دراز قد اور پر شوکت شخصیت کی بناء پر کمرے میں آپ کی موجودگی کو محسوس کیا جاتا تھا۔

ہندو پاکستان کی 1965 کی جنگ میں آپ آپریشن گرینڈ سلیم کے کمانڈر تھے۔ مگر افسوس کہ آپریشن کے عین درمیان کمانڈ جنرل یحییٰ خان کو دے دی گئی جس کی وجہ سے یہ آپریشن بری طرح ناکام ہو گیا۔ اس واقعہ کا ذکر ہندوستان کے آرمی جنرل جوگندر سنگھ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ https://www.dawn.com/news/1204925 ذوالفقار علی بھٹو نے اس بارے میں کہا تھا: "اگر جنرل اختر ملک کو چھمب جوڑیاں سیکٹر پر نہ روکا گیا ہوتا تو انڈین آرمی کو کشمیر میں بری طرح پسپا ہونا پڑتا، لیکن ایوب خاں اپنے چہیتے یحییٰ خاں کو ہیرو بنانا چاہتے تھے"۔ کامیاب قیادت کی بناء پر آپ کو ہلال جرات سے نوازا گیا اور لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ حکومت پاکستان نے ان کو ترکی بھجوایا جہاں وہ ایک کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کی تدفین ربوہ میں ہوئی۔

شاعر ضمیر جعفری نے وطن عزیز کے اس نامور جانباز کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا: (پہلا اور چوتھا بند)

انقرہ سے چکلالہ کے ہوائی اڈے پر
چمکتی ہوئی گاڑی کے اوپر جو تابوت ہے
چاند تارے کے پرچم میں لپٹا ہوا
ایک جیالا، جری، نامور، دلاور، بہادر سپاہی
ابد کی خوشی میں کھویا ہوا
اپنی شفاف وردی میں سویا ہوا
بند نمبر ۴
سرو پیکر میں اب دل دھڑکتا نہیں
آگ جلتی نہیں، خون چلتا نہیں
جسم بے جان ہے
لیکن اے زندگی، یہ وہ انسان ہے
ایک جیالا، جری، نامور، دلاور، بہادر سپاہی
جو اپنے مقدس وطن، خطہ دلنشیں، کشور بہترین کیلئے
اس زمیں پر بہشت بریں کیلئے
پاک پرچم تلے
وادیوں، جنگلوں، پربتوں میں لڑا
موت کے سامنے مسکراتا رہا
جنگ اور امن کے زخم کھاتا رہا
تا کہ یہ شہر اور گاؤں بستے رہیں
پھول کھلتے رہیں، باغ مہکتے رہیں، کھیت ہنستے رہیں

میجر جنرل افتخار خان جنجوعہ (م 9 دسمبر 1971)

جنرل جنجوعہ پاکستان آرمی کے سینئر جنرل تھے جن کی وفات میدان جنگ میں ہوئی تھی۔ آپ کور ن آف کچھ کا ہیرو تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ آپ اپریل 1965 میں Brigade 16th میں بریگیڈیئر تھے۔ آپ کی شہادت 1971 کے ہندو پاک کی جنگ کے دوران کشمیر میں چھمب کی لڑائی میں ہوئی جب آپ کا ہیلی کاپٹر کریش ہو گیا۔ میدان کارزار میں آپ ہمیشہ فرنٹ لائن پر ہوتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے تحت فوج میں عزم اور استقلال نمایاں نظر آتا تھا۔ آپ کے والد راجہ محمود احمد بیرسٹر تھے اور آپ کے بھائی میجر جنرل اعجاز احمد تھے۔ تعصب کے بناء پر آپ کو نشان حیدر سے محروم رکھا گیا۔

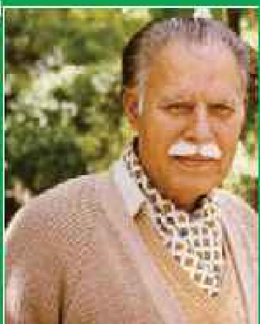

لیفٹیننٹ جنرل عبد العلی ملک (وفات 2015)

آپ پاکستان آرمی انجینیر آفیسر اور ہائی رینکنگ ملٹری جنرل تھے۔ آپ کی شہرت 1965 کی پاک بھارت جنگ میں چونڈہ کی ٹینک لڑائی کی وجہ سے ہے۔ آپ کی ولادت راولپنڈی سے 65 کیلو میٹر کے مسافت پر گاؤں پنڈوری میں ہوئی تھی۔ آپ آرمی میں کیڈٹ کے طور پر بھرتی ہوئے اور پاکستان آرمی کارپس آف انجینیرز میں شامل ہو گئے۔ پاکستان ملٹری اکیڈیمی سے آپ نے الیکٹریکل انجینیرنگ میں بی ایس سی کیا۔ تربیلا ڈیم کے علاوہ آپ نے پنجاب میں بہت سارے منصوبوں پر کام کیا۔ آپ کے بھائی اختر حسین ملک بھی آرمی میں جنرل تھے۔ منگلا ڈیم کے منصوبے کے بعد آپ ریٹائر ہو گئے۔ پاک بھارت جنگ 1965 میں آپ سیالکوٹ چھمب سیکٹر میں 24th infantry brigade کے کمانڈر تھے۔ اس موقعہ پر Jasser sector میں دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی ہوئی تھی جو Battle of Chawinda کہلاتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو میجر جنرل کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور 1971 کی جنگ میں 8th infantry division کے کمانڈر تھے۔ آپ سیالکوٹ سیکٹر پر متعین تھے۔

PDF Compressor Free Version

میجر جنرل عبداللہ سعید

آپ پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول کے کمانڈنٹ تھے۔ اور بلوچستان میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں آپ میکسکو اور کیوبا میں پاکستان کے سفیر متعین رہے تھے۔ آپ کی ولادت ایبٹ آباد میں ہوئی تھی۔ آپ نے پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول سے 1948 میں کمیشن حاصل کیا اور فرنٹیر فورس رجمنٹ میں شامل ہو گئے۔ آپ لاہور احمدیہ جماعت کے امیر ڈاکٹر سعید احمد کے بیٹے تھے۔ آپ کی وفات 1988 میں کولن کینسر سے ہوئی اور صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق بہ نفس نفیس آپ کے خاندان سے اظہار افسوس کرنے لاہور گئے تھے۔

میجر جنرل ناصر احمد چوہدری شہید

پاکستان آرمی کے اس مایہ ناز جنرل نے 28 مئی 2010 کو ماڈل ٹاؤن احمدیہ مسجد میں 91 سال کی عمر میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ راقم الحروف کی آپ سے ملاقات بیس سال قبل لاہور میں ہوئی تھی تو آپ نے مجھے اپنی ٹانگ پر وہ جگہ دکھائی جہاں آپ کو 1971 میں گولی لگی تھی۔ یاد رہے کہ آپ واحد جنرل تھے جو جنگ کے دوران زخمی ہوا تھا۔ آپ نہایت شریف النفس، منکسر المزاج انسان تھے۔ نماز پورے خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ بہلول پور کے رہنے والے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کے بعد 1942 میں آرمی میں بھرتی ہو گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے تین بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑی تھیں۔ اس جاں نثار محافظ وطن نے بھارت کے خلاف تین جنگوں میں حصہ لیا تھا۔

ائر مارشل ظفر چوہدری (ولادت 1926)

آپ گورنمنٹ کالج لاہور کے گریجوایٹ ہیں۔ آپ پاکستان ائر فورس کے دو سال تک 1972-74 چیف آف ائر سٹاف رہے تھے۔ اس سے قبل آپ قومی ائر لائن پاکستان ائر لائنز کے مینجنگ ڈائرکٹر تھے۔ آپ نے رائل انڈین ائر فورس میں کمیشن 1945 میں حاصل کیا تھا۔ آپ PAF academy کے کمانڈر، اور سرگودھا ائیر بیس کے کمانڈنٹ تھے، اس کے ساتھ آپ برٹش سٹاف کالج اور امپیریل ڈیفنس کالج کے گریجوایٹ ہیں۔ پاکستان ہیومن رائٹس کے فاؤنڈنگ ممبر، اور اس وقت اس کے فعال ممبر ہیں۔ ان کی خدمات کے عوض حکومت پاکستان نے ستارہ قائداعظم سے نوازا تھا۔ آپ انگلش میں چار کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے دو راقم کی لائبریری میں موجود ہیں: Miracles do happen (1988) An Airman Remembers (1993) آپ نے ان دونوں کتابوں کا اردو میں خود ہی ترجمہ کیا تھا۔ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ آپ کی سروس کا عرصہ تیس 1945-1974 پر محیط ہے۔ آپ کی انگلش میں سوانح عمری 2010ء میں شائع ہوئی تھی۔ علامہ اقبال کی مشہور نظم شکوہ، جواب شکوہ کا ترجمہ آپ نے Plaint & Response کے نام سے کیا ہے۔ اردو میں آپ کی سوانح اس وقت زیر تصنیف ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود آپ اس وقت لاہور میں علمی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔

کیپٹن ممتاز انور

پاکستان نیوی کے اس جانباز نے 1971ء میں بھارت کے خلاف جنگ کے دوران وطن عزیز کو جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

میجر افضل محمود (1976-2009)

اس جاں نثار نے 2009 میں سوات میں آپریشن کے دوران جام شہادت نوش کیا تھا۔ ربوہ میں تدفین کے وقت پاک فوج کے سپاہیوں نے آپ کو سلامی پیش کی تھی۔

ایک کتاب Air Battle of Pakistan جو ائر مارشل نور خاں کے حکم پر تالیف کی گئی تھی، اس میں متعدد جگہوں پر احمدی پائلٹوں کا ذکر ہے۔ ائر مارشل عبد الرحیم کے بقول ایک نہایت خطرناک منصوبہ تیار کیا گیا تھا جس کیلئے والنٹیر ز طلب کئے گئے تھے۔ ہر ایک کو معلوم تھا کہ کوئی بھی پائلٹ واپس نہیں آئیگا۔ درجنوں پائلٹوں میں سے صرف پانچ نے اپنے آپ کو رضا کار کے طور پر پیش کیا۔ محض خدا کے فضل تمام کے تمام پائلٹ مشن مکمل کرنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ خود میرے ایک عزیز سکواڈرن لیڈر راجہ عبدالمالک نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حصہ لیا تھا جب وہ سرگودھا میں متعین تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے راجہ صاحب کی ایک تصویر صدر پاکستان ایوب خاں کے ساتھ آئی آئی چندریگر روڈ پر واقع ائر فورس کے ریکروٹنگ سینٹر کے باہر بورڈ میں لگی دیکھی تھی۔

قارئین: اس مختصر مضمون میں صرف وطن کے چند جاں نثاروں، اور محافظوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ سینکڑوں کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔

PDF Compressor Free Version

ایک جنگ ہوگی اور بس...! کشمیر آزاد ہو جائے گا

تحریر منظہر برلاس

پینٹاگون کے قریب ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی بالائی منزل سے یہ خاکسار مخاطب ہے۔ کل سے میری واشنگٹن ڈی سی میں تین روزہ مصروفیات شروع ہو جائیں گی، ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری میٹنگ، اس لئے سوچا کہ میرا تھن میٹنگز سے پہلے کچھ خیالات آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ آج شام واشنگٹن میں مجھ سے سب سے اہم سوال یہ کیا گیا کہ آپ نے سال کے آغاز میں لکھا کہ یہ سال کشمیر کی آزادی کا ہے، اب آپ اس پر کیوں نہیں کچھ لکھ رہے؟ میری ان سے پہلی گزارش یہ تھی کہ ہاں اس سال کشمیر آزاد ہو جائے گا مگر فی الحال پاکستانی میڈیا اور سوشل میڈیا کا مزاج دیکھ رہا ہوں۔ جس کا جو جی چاہتا ہے، لکھ رہا ہے، تبصرے کر رہا ہے مگر میں آپ کو امریکہ کے صدارتی الیکشن کی مثال دیتا ہوں، اس خاکسار نے الیکشن سے چھ آٹھ مہینے پہلے لکھا تھا کہ ٹرمپ الیکشن جیت جائے گا پھر پورا امریکی، برطانوی اور پاکستانی میڈیا بتانے لگا کہ ہیلری جیت جائے گی مگر الیکشن کے روز میں نے پھر لکھا کہ آج امریکی الیکشن میں ٹرمپ جیت جائے گا، ہیلری ہار جائے گی، میری بات کو مذاق سمجھا گیا، پھر ایسا ہوا کہ ٹرمپ امریکی صدر بن گیا۔ بالکل امریکی الیکشن کی طرح میں نے وقت سے پہلے لکھ دیا ہے کہ یہ سال کشمیر کی آزادی کا سال ہے۔ حالیہ کشیدگی میں کشمیری قیادت کے موقف کے علاوہ پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے خیالات کو جانچنا بڑا ضروری ہے۔ عمران خان نے بہت اچھی تقریر کی ہے، بھارت میں مختلف آراء سامنے آ رہی ہیں، اقوام متحدہ میں ڈاکٹر ملیحہ لودھی اپنی صلاحیتوں کا جادو جگا رہی ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان نے سفارتی محاذ پر محض ایک سال میں بھارت کو دھول چٹوا دی ہے۔ ہندوستان تنہائی کا شکار ہے جب کسی کو کچھ نظر نہ آئے تو وہ خودکشی کرتا ہے۔ بھارت نے اپنے آئین میں سے آرٹیکل 370 اور 35 اے ختم کر کے خودکشی کی ہے۔ پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے صدر چوہدری لطیف اکبر کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "مودی حکومت نے یہ اقدام کر کے اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ہے۔ یہی وہ آرٹیکل تھے جن کی وجہ سے جموں و کشمیر کے ساتھ بھارت کا مشروط تعلق تھا، اب انڈیا کا مشروط تعلق بھی ختم ہو گیا ہے"۔ بھارت میں سپریم کورٹ کی وکیل مانی تھیلے وجے کمار کا کہنا ہے کہ آرٹیکل 370 کو صدارتی حکم سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کانگریسی ممبر کا کہنا ہے کہ یہ کھیل انڈیا کو توڑ رہا ہے۔ بھارتی سیاستدان ششی تھرور کا کہنا بجا ہے کہ بھارت کے بنیادی آئین کو مسترد کیا جا رہا ہے۔ جموں ہائی کورٹ کا فیصلہ ہے کہ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں ظلم ہو رہا ہے، کچھ تلخ سیاستدان بھی تڑپ اٹھے ہیں۔ جواہر لعل نہرو نے دو جنوری 1952 کو کلکتہ کے امریتا بازار میں کہا تھا کہ "کشمیر انڈیا یا پاکستان کسی کی پراپرٹی نہیں، ہم اس ایشو کو اقوام متحدہ لے کر گئے تاکہ اس کا کوئی پرامن حل ہو اور یہ حل کشمیریوں کی مرضی کے مطابق ہو، ہم کشمیریوں کے فیصلے کا ایک مہذب قوم کے طور پر احترام کریں گے"، ایک اہم موقف بزرگ حریت رہنما سید علی گیلانی کا سامنے آیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ "اگر آپ سب یونہی خاموش رہے اور ہم سب مار دیئے گئے تو اللہ کے حضور آپ سب کو جوابدہ ہونا پڑے گا کیونکہ بھارت انسانی تاریخ کی سب سے بڑی نسل کشی شروع کرنے جا رہا ہے، اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے"۔ گزارش ہے کہ اگر امت محمدیہ اپنی زندگیوں میں، اپنے فیصلوں میں درس محمد ﷺ کی پیروی کرتی تو اس طرح رسوا نہ ہوتی۔ اگر مسلمانوں کو اپنے بہن بھائی عزیز ہوتے تو عرب ملکوں میں لاکھوں ہندو کام نہ کرتے، اگر کشمیریوں سے محبت ہوتی تو عرب میں مندر نہ بنوائے جاتے، انہیں روز حشر کی فکر ہوتی تو ایسے ہوتا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہوگا کیا؟ جب بھارت نے خصوصی حیثیت کو ختم کر کے فوج میں اضافہ کر دیا ہے، ظلم کو مزید بڑھا دیا ہے، بس اب بھارت خود ہی پلوامہ کی طرز پر ایک واقعہ کروائے گا، اسے بنیاد بنا کر ظلم میں اضافے کے ساتھ کنٹرول لائن سے حملہ کرے گا، پاکستانی فوج اس کا بھرپور جواب دے گی، خون خرابہ ہوگا۔ بھارت کا نقصان بہت ہوگا، طالبان کشمیریوں کی مدد کیلئے پہنچیں گے، بھارتی فوج پہلے بہت ظلم کرے گی پھر جنگ ہوگی اور کشمیر آزاد ہوگا، کوئی کشمیر کا سودا نہیں کر سکتا، اس دھرتی پر شہیدوں کا لہو ہے۔ امریکہ صرف افغانستان کا حل چاہتا ہے، اسے کشمیر سے کوئی دلچسپی نہیں، پاک بھارت جنگ میں امریکی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ ہوں

PDF Compressor Free Version

گے، یہ جنگ نومبر کے اختتام سے پہلے ہوجائے گی، عرب ملک ہماری مدد نہیں کریں گے۔ایک عرب ملک میں تو اسرائیلی اڈے بھی ہیں اگر عربوں کو اتنی فکر ہوتی تو فلسطینی اس حال میں ہوتے؟ ان کے مفادات بھارت سے ہیں کشمیریوں سے نہیں، چین پاکستان کی تھوڑی بہت مدد کرے گا کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ ہماچل پردیش کے ساتھ کشمیر میں مستقل مشکلات ہوں، اس کھیل میں امریکہ نے اسرائیل کو آگے کر رکھا ہے۔اس وقت بھی سری نگر اور پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈوں پر اسرائیلی جنگی جہاز کھڑے ہیں مگر پاکستانی پائلٹوں کی صلاحیتوں سے خائف ہیں، ترکی ہماری مدد کرسکتا ہے۔اس جنگ کے نتیجے میں بھارت کے بعض حصے الگ بھی ہوسکتے ہیں۔کشمیر اور مشرقی پنجاب کی سول آبادی بھارتی فوج کا ساتھ نہیں دے گی بلکہ بھارتی فوج میں شامل سکھوں کو بھی شک کی نگاہوں کا سامنا ہے۔حوصلہ رکھیے، اللہ ہماری مدد کرے گا، ہم ساری بھارتی فوج کو ابی نندن بنادیں گے۔بس ایک جنگ ہو گی اور کشمیر آزاد ہوجائے گا۔بقول اقبالؒ۔

جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

ڈیوس کپ ٹائی میچ: انڈیا کی ٹینس ٹیم 55 برس بعد پاکستان آئے گی

انڈین کھلاڑی روہن بوپنا اور دیویج شرن پاکستان میں ڈبل میچز کھیلیں گے

انڈیا کی ٹینس ٹیم 55 برس بعد رواں سال ستمبر میں پاکستان کا دورہ کرے گی۔

آل انڈیا ٹینس ایسوسی ایشن نے اعلان کیا ہے کہ ڈیوس کپ کی ٹائی کے سلسلے کا ایک میچ کھیلنے کے لیے انڈیا کی ٹیم ستمبر میں پاکستان روانہ ہوگی۔انڈیا کی آخری ٹینس ٹیم 55 برس قبل 1964 میں میچ کھیلنے پاکستان آئی تھی۔اس وقت انڈین ٹیم نے پاکستانی ٹیم کو چار صفر سے شکست دی تھی۔گذشتہ 12 برسوں میں پاکستان نے ڈیوس کپ کے ایک بھی ٹائی میچ کی میزبانی نہیں کی، جس کی وجہ پاکستان کی سکیورٹی کی خراب صورت حال تھی۔اسی وجہ سے انٹرنیشنل ٹینس فیڈریشن نے ڈیوس کپ کے ٹائی میچز کے پاکستان میں انعقاد پر پابندی عائد کی ہوئی تھی۔فیڈریشن نے یہ پابندی 2017 میں اٹھائی تھی۔

پاکستان ٹینس ٹیم بھیجنے کی وضاحت کرتے ہوئے آل انڈیا ٹینس ایسوسی ایشن کے سیکریٹری جنرل ہیرون موئے چیٹرجی نے کہا ہے کہ پاکستان جا کر ٹینس میچ کھیلنا ضروری ہے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ ایک ایسی بات جس سے ہم گریز نہیں کرسکتے ہیں۔ہمیں سزا ملے گی اگر ہم وہاں میچ کھیلنے نہ پہنچے۔انڈیا اگر میچ نہیں کھیلے گا تو اس پر ہانگ کانگ کی طرح جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔ہانگ کانگ پر پاکستان میں ڈیوس کپ کا ٹائی میچ نہ کھیلنے پر جرمانہ عائد کیا گیا تھا۔

پاکستان میں ٹائی میچ اسلام آباد کے پاکستان سپورٹس کمپلیکس کے گراس کورٹس میں 14 اور 15 ستمبر کو کھیلا جائے گا۔اس کمپلیکس میں 2017 اور 2018 میں ازبکستان، جنوبی کوریا اور تھائی لینڈ کے درمیان ٹائی میچ کھیلا گیا تھا۔ایشیا گروپ ون کے ٹائی میچ میں جیتنے والی ٹیم ڈیوس کپ کے ورلڈ گروپ کوالیفائیرز میں شرکت کرے گی۔انڈیا کے نمبر ون ٹینس کھلاڑی سوم دیو دیو آرمن نے انڈیا کے کھلاڑیوں کا پاکستان جا کر میچ کھیلنے کا خیر مقدم کیا ہے۔یہ امن کا ایک پیغام ہے اور مسابقت کے ماحول میں باہمی احترام کے ساتھ میچ کھیلنے کا موقع بھی ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔اس سے پہلے انڈیا اور پاکستان کے درمیان ڈیوس کپ کا ٹائی میچ 2006 میں ممبئی میں کھیلا گیا تھا جو انڈیا نے تین دو سے جیت لیا تھا۔اس سے بھی پہلے دونوں ملکوں کی ٹیموں کا ٹائی میچ 1973 میں ملیشیا میں کھیلا گیا تھا۔

رواں برس فروری میں ڈیوس کپ کے ڈرا میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان ٹائی میچ کے لیے پاکستان کا نام آیا تھا۔اس لیے یہ واضح تھا کہ انڈیا کی ٹیم پاکستان جائے گی۔لیکن پلوامہ حملے اور پھر پاکستان اور انڈیا کے درمیان فوجی اور سفارتی کشیدگی کے بعد اس دورے کے منسوخ ہوجانے کا خدشہ پیدا ہوگیا تھا، تاہم انٹرنیشنل ٹینس فیڈریشن نے پاکستان کو ڈیوس کپ ٹائی میچ منعقد کرانے کا اشارہ دے دیا۔اور اب انڈیا کی وزارت کھیل نے انڈیا کی ٹینس ٹیم کو پاکستان بھیجنے کی اجازت نامہ بھی جاری کردیا ہے۔

پاکستان میں ٹائی میچ کھیلنے کے لیے جانے والے کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان کردیا گیا ہے، جن میں پرجنیش گنیشوارن، رام کمار راماناتھن، اور سمیت ناگل سنگل میچز کھیلیں گے، جبکہ روہن بوپنا اور دیویج شرن ڈبل میچز کھیلیں گے۔پاکستان کی جانب سے ڈیوس کپ کا ٹائی میچ عقیل خان، اعصام الحق، محمد عابد مشتاق، مزمل مرتضیٰ اور مدثر مرتضیٰ کھیلیں گے۔

PDF Compressor Free Version

پانچ کام جو ریاست ہی کرسکتی ہے

تحریر: بیرسٹر حمید بھاشانی خان

"انسان سماجی جانور ہے"۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے یونانی فلسفی ارسطو نے یہ بات اپنی کتاب سیاست میں بڑی وضاحت سے لکھ دی تھی۔ اس نے لکھا کہ انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ اسے اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھل مل کر رہنا پڑتا ہے، اور سماج فرد سے مقدم ہے۔ مل جل کر رہنے کی خواہش نے انسانوں کو خاندان اور قبائل کی شکل میں متحد کیا۔ یہ سلسلہ عمل تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف شکلوں سے گزرتا ہوا ریاست پر منتج ہوا۔ جس دن سے انسان ریاست کی عملداری میں آیا، اسی دن سے اس کا ریاست کے ساتھ تضاد بھی پیدا ہو گیا۔ یہ تضاد معاشی، سیاسی اور سماجی تھا۔ چناں چہ پہلے دن ہی سے ریاست اور فرد کے درمیان حقوق و فرائض کی بحث چل پڑی۔

ریاست اور فرد کا کیا تعلق ہے۔ انسانی حقوق کے باب میں ریاست کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟ دانشور اور فلسفی سالہا سال تک اس بحث میں الجھے رہے۔ پھر یہ بحث فلسفے کی دنیا سے نکل کر عام آدمی تک پہنچی۔ رفتہ رفتہ ریاستوں اور حکومتوں نے سرکاری سطح پر انسان کے بہت سارے سیاسی سماجی اور معاشی حقوق کو تسلیم کر لیا۔ عالمی سطح پر اس کا متفقہ اظہار اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک قرارداد کے ذریعے ہوا۔ 10 دسمبر 1948 کو اقوام متحدہ نے پیرس میں انسانی حقوق کا تاریخی اعلامیہ جاری کیا۔ یہ اعلامیہ معاشی و سیاسی نظریات کی بنیادوں پر تقسیم شدہ دنیا نے تقریباً متفقہ طور پر تسلیم کیا۔ اس اعلامیے کی ابتدا ہی میں تسلیم کیا گیا کہ انسان فطری وقار اور ناقابل انتقال حقوق رکھتا ہے۔ یہ حقوق آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہیں، اور ان کی حفاظت قانون کی حکمرانی کے ذریعے لازم ہے۔ اعلامیے میں مانا گیا کہ ہر انسان اپنی زندگی، آزادی اور تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

اس حق کی وجہ سے کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ کسی کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ کسی کو غیر قانونی طور پر گرفتار، قید، جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ ہر کسی کو ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں اپنا دفاع کا حق ہے۔ ہر کسی کو پر امن جلسے، جلوس اور تنظیم سازی کی آزادی ہے۔ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ اور قانون کی طرف سے مساوی تحفظ انسان کا حق ہے۔ آزادی اظہار رائے، مذہبی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی انسان کا حق ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی قرارداد نمبر 217 کے تحت یہ اعلامیہ جاری کر کے وہ تمام حقوق تسلیم کر لیے، جس کے لیے بنی نوع انسان نے ہزاروں سال تک خواب دیکھے تھے، جدوجہد کی تھی۔

انسانی حقوق کے اس اعلامیے کے آرٹیکل نمبر 25 میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ ہر آدمی ایک ایسے معیار زندگی کا حق دار ہے، جہاں اس کو اور اس کے خاندان کو روٹی، کپڑا، مکان اور صحت کی سہولیات میسر ہوں۔ اس طرح اس اعلامیے کے معاشی حقوق کا کچھ حصہ اشتراکی ممالک اور سیاسی حقوق کا کچھ حصہ مغرب کی آزاد جمہوریتوں نے کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کر لیا۔ یہ عام آدمی کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ ایک سنجیدہ عالمی فورم پر دنیا بھر کی ریاستوں کے سرکاری نمائندوں نے ایک ایسی قرارداد کے حق میں ووٹ دیے، جس میں انسان کے معاشی، سیاسی اور سماجی حقوق کو واضح، واشگاف اور دو ٹوک انداز میں تسلیم کیا گیا تھا۔ آنے والے دنوں یعنی پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں دنیا کی کئی ریاستوں نے انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کی روشنی میں کئی اقدامات کیے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں اس عرصے میں شخصی اور آمرانہ حکومتوں کی وجہ سے انسانی حقوق کے اس عظیم اعلامیے کو یکسر نظرانداز کیا جاتا رہا۔ آمریتوں کے بیشتر ادوار میں بنیادی حقوق معطل رہے۔ بالآخر ایک طویل مدت بعد، پہلی منتخب عوامی حکومت نے 1973ء کے آئین میں انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کو بڑی حد تک جگہ دی۔ اور بیشتر بنیادی انسانی اور سیاسی حقوق جو اس عالمی اعلامیے میں درج تھے، ان کو آئین میں شامل کر لیا گیا۔ معاشی حقوق آئین میں شامل تو نہ ہوئے، مگر ذوالفقار علی بھٹو نے ان کو عوامی نعرے کی شکل میں ملک کے طول عرض میں متعارف کرا دیا۔

روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے کے پیچھے اگرچہ مارکسسٹ فکر کارفرما تھی، مگر یہ نعرہ اقوام متحدہ کے اس اعلامیے کے آرٹیکل پچیس کی روح کے عین مطابق تھا۔ اس کے بعد آنے والی طویل آمریتوں کے دور میں بیشتر اوقات بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں پر پابندی رہی۔ جمہوری اور سیاسی حقوق کو سلب کیا جاتا رہا۔ معاشی حقوق کو نظرانداز کیا گیا۔ اس عمل میں پاکستان معاشی پس ماندگی اور سماجی فرسودگی کا شکار ہو گیا۔ یہاں طبقاتی تقسیم بہت گہری ہو گئی۔ ایک طرف بے تحاشا مال و دولت اور جاگیروں کا مالک طبقہ اشرافیہ ابھرا، اور دوسری طرف بھوکے، ننگے، بے روزگار بدحال عوام کا ایک ہجوم، جن کا کوئی پرسان حال نہیں۔

پاکستان میں اگر اقوام متحدہ کے اس اعلامیے کے آرٹیکل پچیس کو بنیاد بنا کر معیار

PDF Compressor Free Version

زندگی کا جائزہ لیا جائے تو نتائج کوئی زیادہ خوش گوار نہیں نظر آتے۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں سرفہرست خوراک ہے۔ پاکستان میں قحط سالی نہیں، خوراک کی شدید قلت بھی نہیں؛ مگر دولت اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے خوراک تک سب کی رسائی بھی نہیں۔ آبادی کا ایک حصہ ایسا ہے جسے ضرورت کی کم ازکم خوراک بھی میسر نہیں، اور ایک حصہ فاضل پیداوار کا مالک ہے۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 37 ملین سے زائد لوگ غذائی قلت کا شکار ہیں۔ ان لوگوں کو پیٹ بھرنے کے لیے جو کچھ میسر ہے، اسے خوراک نہیں کہا جاسکتا۔ اب عالم یہ ہے کہ ایک طرف فاضل خوراک موجود ہے۔ اور دوسری طرف لاکھوں انسان ہیں، جو بھوک کا شکار ہیں، یا مضر صحت خوراک کھانے پر مجبور ہیں۔ غذائی قلت کی وجہ سے بڑے پیمانے پر بچے سٹنٹ ہورہے ہیں، اور عورتیں خون کی کمی کی وجہ سے کئی بیماریوں کا شکار ہورہی ہیں۔

خوراک سے بھی زیادہ اہم اور ناگزیر ضرورت پانی ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق آبادی کی ایک بڑی اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ آبادی جس تناسب سے بڑھ رہی اگلے دس سالوں بعد مسئلہ یہ نہیں ہوگا، کہ پانی صاف ہے یا گندا، مسئلہ یہ ہوگا کہ پانی کہاں سے، کیسے، اور کس قیمت پر حاصل کیا جائے۔ یہ ایک خوف ناک صورت ہوگی۔

پاکستان میں آبرو مند سکونت یا محفوظ پناہ گاہ کا مسئلہ بھی کم گھمبیر نہیں۔ اقوام متحدہ کے اعداد وشمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں تقریبا بیس ملین لوگ بے گھر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باقاعدہ بے گھر ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے، جن کو بے گھر تو نہیں سمجھا جاتا، مگر وہ مضر صحت یا ناقابل سکونت جگہوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ایسی قیام گاہیں جن میں طبی نقطہ نظر سے قابل بود وباش نہیں۔

پاکستان میں صحت کا قصہ اس بھی زیادہ دردناک ہے۔ اس محاذ پر حکومتوں کی کارکردگی ناقص رہی ہے۔ صحت کے باب میں ملک کی کم خوش قسمت آبادی کو بہت بے رحمی سے نظر انداز کردیا گیا ہے۔ غربت، بھوک اور بیماری کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پاکستان میں 39 فیصد سے زائد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتی ہے۔ اس طرح یہ تقریبا 60 ملین لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد دیہی علاقوں میں آباد ہے، جہاں ان کو صحت کی بنیادی سہولیات تک رسائی نہیں ہے۔

اس طرح اقوام متحدہ نے کم ازکم انسانی معیار زندگی کے لیے جن ضروریات کو لازمی قرار دیا ہے، پاکستان میں حکومتیں ان میں سے کوئی ایک بھی پوری کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ ان حالات میں ضرورت ایک ایسی سیاسی قوت کی ہے جو روٹی، کپڑا، مکان، صحت اور تعلیم جیسی پانچ لازمی ضروریات کو بنیادی انسانی حقوق میں شامل کرنے کا مطالبہ کرے۔ ان ضروریات کو بنیادی انسانی حقوق قرار دینے سے ریاست قانونی طور پر ان ضروریات کو پورا کرنی کی پابند ہوجاتی ہے۔ غربت وافلاس کے گرداب سے باہر نکلنے کا یہ ایک راستہ ہے۔

قارئین کے لئے خوشخبری

آپکی پسندیدگی اور نیک تمناؤں کی بدولت ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل اپنی ترقی کی منازل کی طرف رواں دواں ہے۔ جنوری 2018ء سے ادارہ لاہور نے قارئین کے لئے ایک نئی ویب سائٹ تشکیل دی ہے۔ جو جدید تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اسکا URL درج ذیل ہے

www.lahoreinternational.com

قارئین کرام اس ویب سائٹ پر اہم خبریں، مضامین اور دیگر شعبہ جات سے متعلق موثر مضامین اور عالمی خبریں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ آپ کی تجاویز اور تبصروں کی روشنی میں اس سائٹ کو مزید سے مزید بہتر بنانے کیلئے "ادارہ" پُرعزم ہے۔

ویب سائٹ پر اُردو اور انگریزی دونوں رسالے اور مواد موجود ہے۔ تمام دنیا میں یہ رسالہ اب ماشاء اللہ لاکھوں کی تعداد میں قارئین کے زیر مطالعہ ہے۔ جس قلیل مدت میں قارئین نے اس رسالہ کو پسند کیا ہے اس کیلئے ہم تمام قارئین کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔ دنیائے صحافت میں آپ کی قدر دانی سے رسالہ نے جو مقام حاصل کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

اب ہماری کوشش ہے کہ اسکو جلد از جلد "ہفتہ وار" کر دیا جائے اور آپ دوستوں کی دعاؤں کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(ادارہ لاہور انٹرنیشنل)

PDF Compressor Free Version

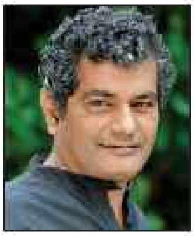

ضیاء زندہ ہے

تحریر محمد حنیف

نہ کہیں ماتمی جلسہ، نہ کوئی یادگاری ٹکٹ، نہ کسی بڑے چوک پر اسکا بت، نہ کسی پارٹی جھنڈے پر اُسکی کی تصویر، نہ اُسکے مزار پر پرستاروں کا ہجوم، نہ کسی کو یہ معلوم کہ مزار کے نیچے کیا دفن ہے۔ نہ کسی سیاسی جماعت کے منشور میں اُسکے فرمودات، نہ ہر لحظہ اُٹھتے سیاسی ہنگاموں میں اس کی بات۔ نہ بڑے لوگوں کے ڈرائنگ روموں میں اُس کے ساتھ کھنچوائی ہوئی کوئی تصویر، نہ کسی کتب خانے میں اُس کے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر۔ نہ کوئی سیاستدان چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا ہے میں اس کا مشن پورا کروں گا۔ نہ کوئی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے کہ مولا ہمیں ایک ایسا ہی نجات دہندہ اور دے۔

اگر یہ بچوں کی کہانی ہوتی تو ہم یہاں پر کہہ سکتے تھے کہ پس ثابت ہوا کہ ظلم کو دوام نہیں، ظالم کو کوئی اچھے لفظوں میں یاد نہیں رکھتا اپنے آپکو خدا سمجھنے والے ریت کے بت ہوتے ہیں۔ تاریخ سب سے بڑی منصف ہے اور اُس کی کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ وہ آپ کا نام نشان مٹا دیتی ہے۔ دیکھو، دیکھو کیا عبرت کا نشان ہے کہ جس شخص نے پوری قوم کو ٹکٹکی پر لٹکایا۔ آئین کو کاغذ کا چیتھڑا بتایا، عوامی لیڈروں کو سولی پر لٹکایا، باقی سیاستدانوں کو اپنے در کا کتا قرار دیا، جو اپنے لوگوں کو غلام بنا کر افغانستان، بھارتی پنجاب اور کشمیر کو آزاد کرانے چلا جس نے اپنی طمع کو اللہ کا قانون قرار دیا اور اللہ کے قانون کو گلی گلی بدنام کیا۔ آج اس کا نام بھی بھلا دیا گیا۔

اُس کے دسترخوان سے فیض یاب ہونے والے بھی اُس کے ذکر پر یوں منہ بناتے ہیں جیسے نوالے میں کوئی حرام چیز آ گئی ہو۔

ضیاء کسی انسان کا نام ہوتا تو شاید ہم بھول گئے ہوتے، لیکن وہ ایک سوچ کا نام تھا، فکر کا نام تھا۔ یا یوں کہیے ایک وبا کا نام تھا جو ہمارے خون میں سرایت کر گئی اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔

جب بھی کبھی 'زندہ ہے بھٹو زندہ ہے' کا نعرہ سنتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ان دیوانوں کو سمجھاؤں کہ تمہیں بھٹو پھانسی پر جھول گیا آؤ تمہیں دکھاتا ہوں کہ کون زندہ ہے۔ دیکھو تمھاری سڑکوں، چوکوں پر، تمہاری ریڈیائی لہروں پر، تمہارے موبائل فون کی رنگ ٹون میں، جدھر دیکھو، جدھر سنو، ضیاء زندہ ہے۔

وہ زندہ ہے ہمارے بچوں کو پڑھائی جانے والی کتابوں میں، ان کو سنائی جانے والی لوریوں میں، ہمارے آئین میں، قانون میں، اس قانون کی حفاظت کرنے والوں کے ضمیر میں، اس قانون کو اللہ کا قانون بنانے کا وعدہ کرنے والے کے دماغ میں۔ وہ زندہ ہے مسجدوں میں پھٹنے والے سرفروش نوجوانوں کے دلوں میں، وہ زندہ ہے ٹی وی کے ڈراموں میں، ٹی وی ٹاک شو کے میزبانوں میں، ہمارے حلق سے نکلی جعلی عربی آوازوں میں، وہ زندہ ہے حجابوں میں، نقابوں میں، ہیروئین کی دولت سے بنے محلوں میں، ٹکوری غمروں میں، حرام کو حلال کرتے بینک اکاؤنٹوں میں۔

وہ زندہ ہے شادی پہ چلائی جانے والی کلاشنکوف کی آواز میں، وہ چھپا ہے ہر اُس چوک پہ جہاں ستر سالہ بڑھیا بھیک مانگتی ہے اور آپ کو حاجی صاحب کہہ کر پکارتی ہے۔ وہ زندہ ہے ہر اس پولیس والے کے سوال میں جب وہ کہتا ہے نکاح نامہ کہاں ہے۔ وہ اپنا خراج مانگتا ہے جب کہتا ہے کہ دوسروں کو کافر قرار نہیں دو گے تو شناختی کارڈ نہیں ملے گا۔

وہ زندہ ہے اور آسیہ بی بی کی کال کوٹھڑی کا پہرے دار ہے۔ وہ ہر احمدی، ہر شیعہ، ہر ہندو، ہر عیسائی کے سر پہ لٹکی تلوار ہے۔ (ان میں مزار پر دھمال ڈالنے والوں، یارسول اللہ کہنے والوں یا ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو بھی شامل کریں)۔

وہ زندہ ہے ہمارے سیاسی ڈھانچے میں، ہماری چادر اور چار دیواری میں، ہمارے احتساب میں، ہمارے مثبت نتائج میں، ہمارے نظام مصطفیٰ کی تلاش میں، ہمارے امتِ مسلمہ کے خواب میں، وہ زندہ ہے ہمارے ہر عذاب میں۔

جب احمد پور شرقیہ کے چنی گوٹھ چوک پر ہزاروں لوگ اکھٹے ہوتے ہیں اور ایک ملنگ پر تیل چھڑکنا شروع کرتے ہیں تو وہ اس ہجوم میں شامل ہر شخص کے دل میں زندہ ہے۔ جب ملنگ کو آگ لگائی جاتی ہے اور وہ چیختا ہے تو لوگوں کی سفاکانہ خاموشی میں سے یہی آواز آتی ہے۔ دیکھو میں زندہ ہوں۔

PDF Compressor Free Version

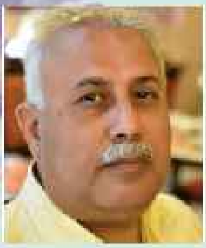

دلہن سے نائیکہ تک

تحریر وسعت اللہ خان

یہ تب کی بات ہے جب کسی ایک دن آس پاس اور دور پرے کے رشتے دار اور شناسائی کے دعویدار چنچل عروس البلاد کے گھر ایک نوخیز ملک کا رشتہ لے کر آئے۔ اس سے پہلے کہ عروس البلاد یا اس کے اہلِ خانہ کو سوچنے سمجھنے کی مہلت ملتی مبارک سلامت کے شور میں چھوارے بٹ گئے۔

الغرض عروس البلاد خوش تھی کہ گھر میں نہ صرف کچھ نیا سامان آ گیا بلکہ اتنے سارے دور پرے کے جانے انجانے رشتے دار بھی مل گئے۔ ان میں سے کچھ کو عروس البلاد نے ایک آدھ بار کہیں، کبھی، کسی کے گھر یا تقریب میں بغور یا سرسری دیکھا ہوگا۔ مگر رواداری اور خاندانی تربیت کا تقاضا یہی تھا کہ جو بھی اپنے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہے سر جھکا کے سنتی چلی جائے۔

ارے عروس البلاد کمال ہے؟ یعنی مجھے ماموں امجد کو نہیں پہچانتی۔

بھئی میں تو عروس البلاد کا خالو چوہدری شفیق جٹ ہوں۔ ہمارے ہاں ہی ہر وقت گڑیا گڑیا کھیلتی رہتی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنے گھر جاتی تھی۔

بیٹا عروس میں تیرے ابا کا بزنس پارٹنر رہا ہوں ہدایت اللہ۔ لو جی ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میں نے کبھی عروس اور اپنی اولاد میں فرق نہیں رکھا بلکہ سگی بیٹیوں سے بڑھ کے چاہا۔

ارے بیٹا عروس! پہچانا؟ میں تیری پھوپھی زہرہ کی سمدھن نصیبو۔۔ ہائے ہائے اب کہاں پہچانے گی یہ شوخ حسینہ ہم غریبوں کو۔ پھر بھی کتنی پیاری لگ رہی ہے ماشا اللہ۔۔۔

اور پھر انہی اجنبی و شناسا رشتے داروں، رشتے داریوں اور سر پے ہاتھ رکھ کے کولہے تک کھسکانے والے بڈھے ٹھرکیوں اور ان کے منشیوں، اور ان کے گماشتوں نے عروس البلاد سے سادے کاغذوں پر سبز باغ دکھوا دکھوا کے انگوٹھا لگوانا شروع کر دیا۔ پہلے گھر گیا، پھر سامان گیا، پھر ماں سے بھی زیادہ چاہنے والی پھاپھا کٹنیاں اور کٹنے کٹنے لگے۔

چنانچہ طوطا چشمی و لگژری ہوس کی ڈسی عروس البلاد چند ہی برسوں میں وہ عورت ہوگئی جس کے بارے میں بعضے بعضے رکشے اور ٹرک کے پیچھے لکھا ہوتا ہے 'وقت نے پھر دلہن بنا دیا'۔ اور پھر وقت کے ہاتھوں یہ دلہن سیانی ہوتی چلی گئی اور جینے کے لیے داشتہ پن سیکھ لیا۔ جو زیادہ بولی لگائے وہ ایک معینہ عرصے کے لیے اپنے کنے رکھ لے۔

عزت، شہرت، دولت، تعلقات اور طاقت۔ جب سب آ جائے تو پھر داشتہ ہی بنے رہنا خسارے کا سودا لگتا ہے۔ لہذا عروس البلاد نے ایک روز داشتائیت کو خیر باد کہا اور نائکیت کی سرحد میں داخل ہوگئی۔

اس نے دیکھا کہ نائکہ سے ہر کوئی محتاط بھی رہتا ہے مگر نائکہ کے التفات سے بھی ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ نائکہ کے پاس ہی تو اس حسین و جوان خزانے کی چابی ہے جسے ہر کوئی لوٹنا چاہتا ہے۔ یہ خزانہ ہی تو وہ وزیٹنگ کارڈ ہے جس کے ذریعے نائکہ کے لیے ہر دروازہ کھل جا سم سم ہو جاتا ہے۔ کیسا بھی بارعب مذہبی، غیر مذہبی، مقامی، غیر مقامی، شیروانی بردار بدمعاش، تھری پیس لفنگا یا واسکٹ زدہ کمینہ ہو۔

کون ہے جسے نائکہ کی ضرورت نہ ہو اور جس کی ضرورت نائکہ کو نہ پڑے۔

عروس البلاد کو جانے آخری بار خود کو آئینے میں دیکھنا کب نصیب ہوا ہوگا۔ آئینہ دیکھنے کے لیے بھی تو فرصت چاہیے۔ عروس البلاد کو جیو اور جینے دو کی جنگ سے فرصت ملے تو خود کو خود سے دیکھے۔ ویسے بھی دل سے ثبات و بے ثباتی کا کھٹکا نکل جائے تو پھر خود کو دیکھنا نہ دیکھنا کیا؟

PDF Compressor Free Version

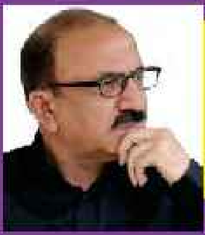

تعلیم: غیر اہم ترجیح

تحریر: شاہد صدیقی

تعلیم اور ترقی کا ایک باہمی رشتہ ہے، جس کی جھلک ہم اقوامِ عالم کی تاریخ میں دیکھتے ہیں۔ اس رشتے کی اہمیت اکیسویں صدی میں اور زیادہ ہوگئی ہے جب معیشت کا تصور علم سے وابستہ ہوگیا ہے اور یوں وہی قومیں ترقی کے زینے طے کرسکتی ہیں، جن کی نالج اکانومی (علمی معیشت) مضبوط اور مستحکم ہوگی۔ جس طرح معیشت کا تعلق علم سے وابستہ ہے، اسی طرح دورِ حاضر میں طاقت کا فرسودہ تصور مسترد ہو چکا ہے، جو توپ و تفنگ سے جڑا ہوا تھا۔ آج کل سافٹ پاور کی اصطلاح عام ہے۔ یوں طاقت کا جدید تصور بھی علم سے وابستہ ہے، جس کے ذریعے ہم دوسروں کے ذہنوں کو اسیر کرتے ہیں۔

1947ء میں جب پاکستان وجود میں آیا تو اسی سال پہلی ایجوکیشن کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ قائداعظم کے مطابق تعلیم ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ قائد کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر ہم نے بحیثیت ایک آزاد قوم ترقی کرنی ہے تو اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز کرنی ہوگی۔ بدقسمتی سے قائداعظم کی وفات کے بعد تعلیم کسی بھی حکومت کی ترجیح نہیں رہی۔ سیاستدان ہر دور میں بلند بانگ دعوے تو کرتے رہے، لیکن یہ سب سہانے خواب تھے، جن کی تعبیر پاکستان کے شہریوں کو کبھی نہیں ملی۔ پہلی ایجوکیشن کانفرنس کے بعد 1959ء میں شریف کمیشن رپورٹ میں بہت سی اہم تجاویز پیش کی گئیں۔ شریف کمیشن رپورٹ کو تعلیم کے حوالے سے ایک جامع دستاویز تصور کیا جاتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس میں دی گئی تجاویز پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایجوکیشن پالیسیوں کا اعلان کیا گیا، لیکن ہر پالیسی میں ہدف کا سال آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ جنوبی ایشیا کے ممالک میں پاکستان کس درجے پر مقیم ہے۔ تعلیم میں بنیادی معیار کسی بھی ملک میں شرحِ تعلیم ہے۔ جنوبی ایشیا کے ممالک میں خواندگی کی شرح 2018ء میں کچھ اس طرح سے تھی بنگلہ دیش (72.8 فیصد)، انڈیا (71.2 فیصد)، بھوٹان (64.9 فیصد) نیپال (63.9 فیصد)، پاکستان (57.9 فیصد) اور افغانستان (38.2 فیصد)۔ یہ 2018ء کے اعداد و شمار ہیں جو اس لحاظ سے چشم کشا ہیں کہ پاکستان شرحِ خواندگی کے لحاظ سے جنوبی ایشیا کے ممالک میں تقریباً آخر میں ہے اور بھوٹان، بنگلہ دیش، نیپال، مالدیپ، سری لنکا اور انڈیا ہم سے کہیں آگے ہیں۔ یہ اعداد و شمار بتا رہے ہیں کہ اگر اب بھی ہم نے تعلیم پر توجہ نہ دی تو آنے والی صدی، جس کا مرکزی بیانیہ نالج اکانومی ہے، میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ مگر ایک نظریہ بھی تو دیکھئے کہ جنوبی ایشیا کے ممالک تعلیم کے حوالے سے کتنی رقم مختص کرتے ہیں۔ ان اعداد و شمار میں یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہیں ہوگی کہ یہ ممالک علم کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔

یہاں بھی پاکستان کا نمبر بالکل آخر میں آتا ہے۔ پچھلے سال تک پاکستان اپنی جی ڈی پی کا محض 2.2 فیصد تعلیم پر خرچ کرتا تھا۔ ماضی میں سیاستدان اکثر بلند و بانگ دعوے کرتے رہے لیکن ان پر عمل درآمد کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ ہوئی۔ سابق وزیراعظم جناب شوکت عزیز نے اعلان کیا تھا کہ تعلیم کے لئے GDP کا 4 فیصد مختص کیا جائے۔ اس اعلان کو قریب دو عشرے ہونے کو ہیں، لیکن آج بھی تعلیم کے لیے ہمارا فنڈ جی ڈی پی کا محض 2.2 فیصد ہے۔ 2009ء کی تعلیمی پالیسی میں یہ کہا گیا تھا کہ حکومت 2015ء تک جی ڈی پی کا 7 فیصد تعلیم کے لیے مختص کرے گی اور اس کے نفاذ کے لیے ضروری اقدامات کرے گی۔ اس دعوے کے مطابق 2015ء تک جی ڈی پی کا 7 فیصد حصہ تعلیم کے لیے مختص ہونا چاہیے تھا، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ 2013–14ء میں تعلیم کے لیے مختص رقم جی ڈی پی کا 2.1 فیصد تھی۔ 2014–15ء میں 2.2 فیصد، 2015–16ء میں 2.3 فیصد، 2017–18ء میں یہ کم ہو کر 2.2 فیصد رہ گئی۔

پاکستان کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو تعلیم کبھی حکومتوں کی ترجیح نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے لیے مختص فنڈز ہمیشہ ناکافی رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان سے اب تک متعدد قومی تعلیمی پالیسیوں کا اعلان کیا گیا، ان پالیسیوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ پاکستان کی تعلیمی تاریخ کی دردناک داستان ہے، جس کا احوال میں نے اپنی کتاب Education Policies in Pakistan: Politics, Projections, and Practices میں تفصیل سے کیا ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے 2014ء میں شائع کی تھی۔ ان تعلیمی پالیسیوں میں بہت سے خوش کن اہداف مقرر کئے گئے اور ان کے حصول کے لیے بلند و بانگ دعوے بھی کئے گئے لیکن یہ دعوے کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکے۔ ہر نئی تعلیمی پالیسی میں اہداف کے حصول کی ایک نئی Deadline دی جاتی ہے۔

PDF Compressor Free Version

ابھی تک تعلیم کے میدان میں کئے گئے بلند بانگ دعووں کا حشر بھی ہوا۔ اس کی بڑی وجہ اہداف کا غیر حقیقی ہونا اور ان کے لئے موثر منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔

ایک اور اہم وجہ ایک موثر احتساب کے نظام کی غیر موجودگی ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ 2019ء کے بجٹ میں تعلیم کے حوالے سے کتنی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل اکنامک سروے آف پاکستان 2018-19ء کے صفحہ 32 پر دی گئی ہے۔ 2018-19ء کے بجٹ میں ایجوکیشن افیئرز اور سروسز کے لیے 97420 ملین روپے مختص کئے گئے تھے' نظر ثانی شدہ بجٹ میں یہ رقم 97155 ملین روپے تھی۔ 2019-20ء کے بجٹ میں یہ رقم زیادہ ہونے کی بجائے کم ہو کر 77262 ملین روپے رہ گئی ہے۔

تعلیم کی مد میں مختص کی گئی رقم پچھلے سال کے مقابلے میں 20 فیصد کم ہوگئی ہے۔

اب آیئے اسکی تفصیل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اکنامک سروے آف پاکستان 2018-2019ء کے مطابق 2018-19 میں پرائمری اور پرائمری ایجوکیشن افیئرز کی مد میں 10120 ملین روپے مختص کئے گئے تھے' نظر ثانی میں یہ رقم اتنی ہی رہی۔ 2019ء کے بجٹ میں یہ رقم زیادہ ہونے کے بجائے کم ہو کر صرف 2831 ملین روپے رہ گئی ہے یعنی اس مد میں 72 فیصد رقم کم کر دی گئی ہے۔ سکینڈری ایجوکیشن افیئرز اینڈ سروسز کے لیے 2018-2019ء میں 12365 ملین روپے مختص کئے گئے' نظر ثانی شدہ بجٹ میں یہ رقم 12358 ملین تھی۔ 2019-20ء کے بجٹ میں یہ رقم کم ہو کر 6781 ملین روپے ہوگئی۔ یوں اس مد میں تقریباً نصف رقم کی کٹوتی کی گئی ہے۔ اسی طرح ٹریشری ایجوکیشن افیئرز اینڈ سروسز کے لیے 2018-19ء کے بجٹ میں 71824 ملین روپے رکھے گئے تھے' نظر ثانی بجٹ میں یہ رقم 71743 ملین روپے تھی۔ 2019-20ء کے بجٹ میں یہ رقم کم ہو کر 65233 ملین روپے رکھی گئی ہے' یوں اس مد میں بھی کمی ہوئی ہے۔

اکیسویں صدی علمی معیشت کی صدی ہے' جہاں وہی ممالک مقابلے کی دوڑ میں آگے ہوں گے جن کے شہری جدید علم و ہنر سے لیس ہوں گے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب تعلیم ہماری اولین ترجیح ہو اور ہم اس پر جی ڈی پی کا کم از کم چار فیصد خرچ کریں۔

ہمارے تعلیمی نظام کا سب سے بڑا خواب اڑھائی کروڑ بچوں کو سکولوں تک رسائی دینا ہے۔ دوسرا بڑا خواب امیروں اور غریبوں کے سکولوں میں معیار کے فرق کو کم کرنا ہے۔ ہمارا روشن مستقبل انہی خوابوں کی تعبیر سے منسلک ہے' لیکن 2019-20ء کے بجٹ میں تعلیم کی مد میں فنڈز کی کمی ان خوابوں کی تعبیر مشکل بنا سکتی ہے۔

"ایک فوجی بیوی کی خواہش"

جی ایچ کیو راولپنڈی میں یوم شہدا کی تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا۔ طلحہ کے بارے میں ہیکچ چلانے کے بعد انہوں نے طلحہ کی بیوہ کو سٹیج پہ بلایا۔ اسلام علیکم! آج میں آپ لوگوں کو یہاں طلحہ کی خوبیاں بتانے نہیں آئی۔ میں کچھ اور کہنے آئی ہوں"۔ ڈائس پہ لگے مائیک کو اپنی طرف کرتے ہوئے وہ بولی۔ میری یہ خواہش تھی کہ میری شادی فوجی سے ہو۔ اور اللہ پاک نے میری یہ خواہش پوری کی لیکن میں نادان یہ نہیں جانتی تھی۔ کہ جس طرح فوجی کی زندگی مشکل ہوتی ہے۔ اسطرح اسکے گھر والوں کی بھی مشکل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کا شکر کہ طلحہ کی شہادت سے پہلے میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔ اگر میں پہلے والی ماہم ہوتی تو شاید آپ لوگوں کے سامنے ایسے کھڑی نہ ہوتی۔ لیکن میں اب مضبوط ہوں"۔ آنکھوں میں آنسو لیے وہ سامنے موجود لوگوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ میرا اور طلحہ کا جو لاسٹ جھگڑا ہوا تھا۔ وہ میرے ملک کے اسٹوڈنٹس کے ساتھیوں کی وجہ سے تھا۔ جب میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ فوج تو لڑتی ہے دیکھی ہے۔ پیسے کے لیے لڑتی ہے۔ میں نے طلحہ سے کہا کہ آپ واپس آ جائیں۔ آپ ایسے لوگوں کے لیے جان ہتھیلی پہ رکھ کے پھر رہے ہیں۔ تو طلحہ نے ایک بات بولی تھی۔ وہ یہ کہ میں چند برے لوگوں کی وجہ سے اپنے مذہب اور ملک کے لیے جو کر رہا ہوں۔ وہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر چند لوگ برے ہیں تو باقی لوگ تو اچھے ہیں نا۔ اور جس طرح اولاد جیسی بھی ہو۔ والدین بد دعا نہیں دیتے۔ اسی طرح یہ لوگ جیسے بھی ہیں۔ میں اپنے ملک سے کیا ہوا وعدہ نہیں توڑ سکتا۔ میں انکی حفاظت نہیں چھوڑ سکتا"۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔ میں یہاں یہ کہنے آئی ہوں جو لوگ کہتے ہیں کہ فوجی ہمارے ملازم ہیں۔ انکو پیسہ دیا جاتا ہے۔ کونسا مفت میں لڑتے ہیں۔ یا پھر پیسے کے لیے لڑتے ہیں۔ فوجی کہاں سے آپ کے ملازم ہو گئے؟ آپ کے باپ کے نوکر ہیں؟ حفاظت تو وہ آپ کی۔ وہ نہ ہو تو آپ جیسے لوگ بھی سکون سے زندگی نہ گزار سکیں۔ اور کونسے قارون کے خزانے خرچ کر رہے ہیں ان "ملازموں" پر کہ سرحدوں کے ساتھ ساتھ آپ کے اندرون ملک کے معاملات بھی نمٹاتے ہیں۔ سیلاب سے لے کر زلزلہ تک وہاں سے آگ بجھانے سے لے کر کسی سیاحتی مقام میں پھنسی آفت میں لوگوں کی مدد کرنے کون آتا ہے؟ یہی لوگ آتے ہیں۔ جن کو آپ کہتے ہو کہ یہ ملازم ہیں یا پیسے کے لیے لڑتے ہیں"۔ وہ گھٹی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔ مجمع میں آپ کچھ ایک لاکھ دیتی ہوں۔ مجھے صرف ایک رات بارڈر پہ گزار کے دکھا دیں۔ میں اپنا گھر تک بیچنے کو تیار ہوں۔ میری بیٹی کا باپ واپس لا دیں"۔ وہ ایک سیکنڈ کے لیے رکی۔ روح کانپ جاتی ہے نا ایک رات بارڈر پہ گزارنے کے خیال سے۔ اور کونسا خزانہ ملتا ہے فوجیوں کو۔ کیا کوئی چند روپیوں ہزار کے لیے اپنی زندگی داؤ پہ لگاتا ہے۔ اور کوئی روپیہ پیسہ اپنی جوانی اور اپنے گھر والوں سے بڑھ کر ہو سکتا ہے بھلا۔ نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ جو لڑتے ہیں نا اور پھر آپ کی حفاظت کرتے ہیں نا۔ یہ اسلیئے کرتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب اپنی دھرتی سے پیار کرتے۔ یہ وطن کی محبت ہی ہے۔ جو انہیں سخت گرمی ہو یا سردی اپنے فرض سے غافل نہیں کر سکتی۔ انکی رگوں میں لہو نہیں وطن کی محبت ہے۔ یہ ہمارے ملازم نہیں۔ بلکہ ہم تو ان کے احسان مند ہیں۔ یہ نہ ہو تو ہم سکون سے ایک رات نہیں سو سکتے۔ جو بکواس کرتے ہیں نا فوج کے بارے میں، میں ایسے لوگوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ خدارا آپ اگر پاک آرمی کے بارے میں اچھا نہیں بول سکتے تو اپنی زبانوں کو خاموش کروا دیں۔ اور اگر آپکی زبانیں عادی ہوگئی ہیں۔ بکواس کرنے کی تو کاٹ دیں براہ مہربانی کیونکہ میں اس چیز کے پیسے دے دوں گی۔ جیسا کہ آپ کو لگتا ہے کہ فوجی کے لیے پیسہ ہی اہم ہے"۔ اپنی بات مکمل کر کے سر کو خم دے کر سٹیج سے نیچے اتر آئی۔ پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ میں جی لوں گا اندھیروں میں پر میرے اندر سویا ہے۔

کراچی کی کچرا سیاست۔۔۔حکومت اور بلدیاتی اداروں کی نااہلی

تحریر فیروزہ لاشاری

کراچی کی سیاست میں کچرا کی کہانی سالوں پرانی ہے جو ہمیشہ فوٹو سیشن سے شروع ہو کے بے نتیجہ ہی ختم ہو جاتی ہے اور کراچی کا کچرا جوں کا توں شہریوں کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔ کراچی کے کچرے پر سیاست کا آغاز کراچی کی ایک لسانی تنظیم نے نوے کی دہائی میں شروع کیا۔ اس تنظیم کے قائد آئے دن جھاڑو اٹھا کر فوٹو سیشن کرواتے نظر آئے جس سے اس جماعت کو پذیرائی بھی ملی اور پھر ایک دن آیا جب جھاڑو والے بابا اربوں روپے پر جھاڑو پھیر کر لندن مقیم ہو گئے۔

کراچی کے کچرے نے جہاں کراچی کے شہریوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے وہاں اس کچرے نے کئی لوگوں کو ارب پتی بنا دیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق 12 ہزار لوگ کچرے سے روزی کماتے ہیں۔ پچھلے تین سالوں میں کراچی کا کچرا صاف کرنے کے حوالے سے 8 مرتبہ مہم چلائی گئی لیکن کچرے کے پہاڑ کراچی میں جوں کے توں موجود ہیں۔ مارچ دو ہزار 2016 میں ایم کیو ایم نے اپنے ماضی کو دہراتے ہوئے 30 روزہ صفائی مہم کا اعلان کیا تاہم ایم کیو ایم رہنماؤں کی گرفتاری کی وجہ سے صفائی مہم روک دی گئی۔

اگست 2016 میں کچھ این جی اوز نے "کراچی صاف کرو" کے نعرے کے تحت مہم شروع کی جس میں جنید جمشید مرحوم بھی شریک تھے۔ مہم شروع ہوئی، فوٹو سیشن ہوئے، فنڈز اور چندہ بھی ملا لیکن کچرا اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ دسمبر 2016 میں میئر کراچی نے 100 روزہ صفائی مہم کا آغاز کیا جناب نے بڑے جھاڑو لہرائے، بڑے فوٹو سیشن ہوئے مگر شہر میں کچرا کلچر میں کمی کی بجائے اضافہ دیکھا گیا۔ میئر کراچی نے دعویٰ کیا تھا کہ شہر کو 100 روز میں صاف کر دیں گے لیکن بڑے بڑے دعوے ہوا میں ہی اڑ گئے اور اب بھی جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔

میئر کراچی وسیم اختر عملی طور پر کام کرنے کی بجائے آج بھی اختیارات کا رونا رو رہے ہیں اور سندھ حکومت کو ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ مارچ 2017 میں کراچی کے تین اضلاع میں کاروباری ادارے (بحریہ ٹاؤن) نے صفائی مہم شروع کی بعد میں بحریہ ٹاؤن اور میونسپل کارپوریشن کے درمیان رضا کارانہ طور پر کچرا اٹھانے کی مہم کا معاہدہ کیا گیا اور میئر کراچی کو 10 ارب روپے بھی دیے گئے لیکن 10 ارب روپے ڈکارنے کا بعد بھی کچرا کراچی کے گلی کوچوں میں دندناتا پھر رہا ہے۔

اکتوبر 2018 میں وزیر اعظم عمران خان نے ملک گیر صفائی کے تحت کراچی میں بھی "جھاڑو اٹھاؤ" مہم چلائی۔ اس مہم کی نگرانی گورنر سندھ عمران اسماعیل نے کی۔ جھاڑو اٹھے تصویریں بنیں کروڑوں روپے خرچ بھی ہوئے لیکن کچرا جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ دسمبر 2018 میں تین روزہ صفائی مہم چلائی گئی اس مہم کو کچرے کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ "جھاڑو اٹھاؤ" مہم میں گورنر عمران اسماعیل کی شکست کے بعد پی ٹی آئی نے مارچ 2019 میں ایک مرتبہ پھر "چمکتا دمکتا کراچی" کے نعرے تلے کراچی کے کچرے کو للکارا لیکن اس بار بھی جیت کچرے کی ہوئی، بس اسی مہم کے نام پر کچھ لوگوں کو کروڑوں روپے کا فائدہ ہوا۔

رواں سال 26 فروری کو محکمہ داخلہ سندھ کی جانب سے کراچی سمیت سندھ بھر میں طے شدہ مقامات کے علاوہ کچرا پھینکنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ محکمہ داخلہ سندھ کی جانب سے جاری نوٹیفکیشن میں کہا گیا تھا کہ کراچی سمیت صوبے بھر میں میں عوامی مقامات اور سڑکوں پر کچرا پھینکنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ محکمہ داخلہ سندھ نے سپریم کورٹ واٹر کمیشن کے نوٹس پر عوامی مقامات، بازاروں، سڑکوں اور رفاہی پلاٹوں پر کچرا پھینکنے پر دفعہ 144 نافذ کر دیا گیا لیکن محکمہ داخلہ کے یہ احکامات بھی سیاسی شعبدہ بازی ثابت ہوئے۔ کچرا اٹھانے والی گاڑیاں شاہراہ فیصل سمیت پورے شہر میں کچرا پھیلاتی رہیں اور دفعہ 144 سوتا رہا جو آج تک خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔

وزیر اعلیٰ سندھ گزشتہ ماہ جولائی میں کراچی کے کچرے پر سخت برہم ہوئے تمام اسٹیک ہولڈرز کو سختی سے ہدایات جاری کرتے ہوئے کچرے کو ٹھکانے لگانے کا حکم دیا۔ تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنرز نے کچرا اٹھانے کی مہم شروع کی۔ بڑی بھاگ دوڑ ہوئی، کروڑں روپے خرچ ہوئے لیکن کراچی آج بھی کچرا کچرا ہے۔

PDF Compressor Free Version

پچھلے 3 سالوں کے دوران کراچی سے کچرا اٹھانے پر اربوں روپے خرچ کیے جا چکے ہیں لیکن نتیجہ وہی صفر سے شروع ہو کر صفر ہی نکلتا ہے۔

اس وقت جہاں حکومت اور کچرا اٹھانے والے ادارے یہاں تک کہ چینی کمپنی بھی کراچی کے کچرے کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہیں وہاں کراچی کی صفائی سے غیر متعلقہ وفاقی وزارت رکھنے والے وفاقی وزیر برائے بحری امور علی زیدی نے کراچی کے کچرے کو للکارا ہے۔ علی زیدی نے صوبائی حکومت کو دو ہفتوں میں کراچی کے 6 اضلاع سے کچرا صاف کر کے دکھانے کا چیلنج دے رکھا ہے۔ اس مہم کی تھیم "اب ہوگا صاف کراچی" رکھی گئی ہے۔ اس مہم کے پہلے مرحلے میں 14 اگست تک شہر کے 32 بڑے نالے صاف کیے جائیں گے، بند نالوں کو کھولا جائے گا اور ایف ڈبلیو او کراچی صفائی مہم کی نگرانی کرے گا، کراچی کے 38 نالے سمندر میں گرتے ہیں، 38 میں سے 13 نالے بڑے ہیں وہ بھی بند ہیں۔

علی زیدی کے جوش اور جذبے کو دیکھتے ہوئے شوبز ستارے بھی صفائی مہم کی حمایت کے لئے میدان میں آ گئے ہیں۔ حریم فاروق نے کہا کہ کراچی کے شہری اپنا شہر صاف کرنے کی مہم میں بھرپور شرکت کریں جبکہ سب آگے آئیں، اور پاکستان کا ہر شہر صاف کریں۔ رمشہ خان، اُشنا شاہ اور جنید خان بھی پیچھے نہ رہ سکے اور کراچی والوں سے صفائی مہم کا حصہ بننے اور اسے کامیاب بنانے کی اپیل کر دی ہے۔ وفاقی وزیر بحری امور سید علی حیدر زیدی نے فنڈز کی کمی کی باعث کراچی صفائی مہم کے لئے عطیہ کے حوالہ سے بینک اکاؤنٹ نمبر کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

مخیر حضرات اور عوام اکاؤنٹ ٹائٹل ایف ڈبلیو او کلین کراچی، اکاؤنٹ نمبر 7918163603-0786، آئی بی اے این نمبر HABBPK 41
3603181686790007، حبیب بینک لمیٹڈ کی کسی بھی برانچ میں اپنے عطیات جمع کرا کر کراچی صفائی مہم کا حصہ بن سکتے ہیں۔ وفاقی وزیر نے کہا ہے کہ پہلے مرحلے میں 5 بڑے اور 6 فیڈر نالوں کی صفائی کے لئے 175 کروڑ روپے کی فوری ضرورت ہے۔

اگر کراچی کی کچرا سیاست کے دوسرے پہلو پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دو کروڑ نفوس کی آبادی کے شہر کراچی میں 14 ہزار ٹن یومیہ کچرا پیدا ہوتا ہے 10 ہزار ٹن کچرا اٹھایا جا رہا ہے جبکہ 4 ہزار ٹن کچرا سڑکوں پر ہی رہ جاتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سرکاری افسران سمیت کراچی 12 ہزار لوگ اس کچرے سے روزی کماتے ہیں۔ اس کچرے کو اٹھانے اور اسے 'ری سائیکل' کرنے کا کوئی موثر نظام دستیاب نہیں۔ 3 سال گزرنے کے باوجود سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کچرا اٹھانے کے کام کو کراچی میں مکمل طور پر انجام نہیں دے سکا اگرچہ مذکورہ ادارہ صوبائی سطح پر تشکیل دیا گیا تھا جس کی ذمے داریوں میں نہ صرف صوبے بھر سے کچرا اٹھانا اور اسے ٹھکانے لگانا شامل تھا بلکہ اسے کچرے سے منسلک کاروبار کے مواقع پیدا کرنا، اس سے متعلق ٹیکسز کی وصولی، کچرے سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں کا آغاز اور اس طرح کے دیگر فرائض انجام دینا تھا، اس ضمن میں کوئی خاطر خواہ عملدرآمد نہ ہونے کا ایک سبب ادارے کو درپیش سیاسی اور انتظامی نوعیت کے مسائل بتایا جاتا ہے۔

سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کے لئے، کراچی کا کچرا اٹھانے کے کام کے لئے، سالانہ 4 ارب روپے مختص کیے جاتے ہیں جن میں سے بورڈ 2 ارب روپے سالانہ خرچ کرتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بورڈ کو جاری ہونے والے 2 ارب روپے کا بڑا حصہ ملازمین کی تنخواہوں اور کرپشن کی نذر ہو جاتا ہے۔ سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کا وجود 2014 میں سندھ اسمبلی سے منظور کردہ قانون کے تحت قیام عمل میں لایا گیا تاہم اس ادارے نے اپنے کام کا باضابطہ آغاز 2016 میں اس وقت کیا جب ایک چینی کمپنی کے ساتھ کراچی میں کچرا اٹھانے کے لیے معاہدہ کیا گیا۔ ابتدائی طور پر کچرا اٹھانے اور اسے ٹھکانے لگانے کا کام کراچی کے 2 اضلاع سے شروع کیا گیا جن میں ضلع شرقی اور ضلع جنوبی شامل تھے تاہم بعد میں ضلع ملیر اور ضلع غربی کو بھی نیٹ ورک میں شامل کر لیا گیا۔

حکومت سندھ اور کراچی میونسپل کارپوریشن کے درمیان اختیارات کی جنگ نے بھی اس ادارے کا کام متاثر کیا ہے۔ 2017 میں کراچی کے موجودہ میئر وسیم اختر نے سندھ ہائی کورٹ میں ایک درخواست دائر کی جس میں سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کے قیام کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ختم کرنے کی استدعا کی۔ واضح رہے کہ سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کے قانون کے تحت مذکورہ ادارہ وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں کام کرے گا جبکہ میئر کراچی اس کے ایکس آفیشو اراکین میں شامل ہوں گے۔

سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کو درپیش رکاوٹوں میں وفاقی حکومت کے زیر انتظام ادارے بھی شامل ہیں جن میں کراچی میں واقع کنٹونمنٹ کے علاقے، کراچی پورٹ ٹرسٹ، سول ایوی ایشن اور اس طرح کے دیگر ادارے شامل ہیں۔ کراچی کے کئی علاقے مذکورہ وفاقی اداروں کے زیر انتظام ہیں، ان علاقوں میں سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ کا عمل دخل نہیں ہے کیونکہ اس کا دائرہ اختیار صرف بلدیاتی اداروں یعنی ضلعی میونسپل کارپوریشنز کی حدود میں آنے والے علاقوں تک محدود ہے۔

PDF Compressor Free Version

سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ نے کراچی میں کچرے سے 50 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے ایک منصوبے پر کام شروع کر دیا ہے۔ کراچی میں کچرے سے 600 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ شروع کیا جاسکتا ہے لیکن وفاقی حکومت نے صرف 50 میگاواٹ کا منصوبہ شروع کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ابھی فائلوں کی حد تک محدود ہے بالکل اسی طرح جس طرح بھینس کالونی کے گوبر سے بائیو گیس اور بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ فائلوں میں پڑا دم توڑ رہا ہے۔

کراچی کے کچرے کے ہاتھوں شکست خوردہ اداروں کی شکست کے اسباب جاننے کی کوشش کی تو نا اہلی کے ساتھ ساتھ کرپشن کا بھیانک پہلو بھی سامنے آیا جس میں سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ اور بلدیہ عظمیٰ کراچی کچرا اٹھانے کے حوالے سے کرپشن میں ملوث پائے گئے۔ ذرائع نے بتایا کہ کچرے کی لینڈفل سائٹ پر وزن کے حساب سے ادائیگی ہوتی ہے لیکن کچرے میں مٹی اور کچھ ڈال کر اس کا وزن بڑھا دیا جاتا ہے جس سے وزن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

کراچی میں 8 گاربج ٹرانسفر اسٹیشن ہیں جہاں سے کچرا لینڈفل سائٹ لے جایا جاتا ہے اور پھر کچرے کا وزن کر کے ادائیگی کی جاتی ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ پرائیویٹ کمپنی اگر 20 ٹن کچرا لینڈفل سائٹ پر لے کر جاتی ہے تو 7 ہزار روپے وصول کرتی ہے جبکہ چینی کمپنی 5 ٹن کچرا اٹھاتی ہے تو 17 سے 18 ہزار روپے وصول کرتی ہے۔ کچرے کے وزن میں غیر قانونی طور پر اضافہ کیا جاتا ہے خاص طور رات کے وقت وزن زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

چین کی 2 کمپنیوں کو 4 اضلاع کا کچرا اٹھانے اور ٹھکانے لگانا کا ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ چین کی کمپنیوں نے 2 سال گزرنے کے باوجود اب تک گھروں سے کچرا اٹھانے کا سلسلہ شروع نہیں کیا جبکہ بورڈ نے کچرا اٹھانے میں کرپشن اور ناکامی پر چینی کمپنی کا ٹھیکہ منسوخ کرنے کی کوشش کی تو بیچ میں اہم سیاسی اور انتظامی شخصیات کود پڑیں۔ کراچی میں مجموعی طور پر کچرا اٹھانے والی 650 گاڑیاں ہیں جس میں ضلع شرقی اور جنوبی میں 200 گاڑیاں پرائیوٹ کام کر رہی ہیں۔ ضلع غربی اور ملیر میں 100 گاڑیاں پرائیوٹ ہیں باقی تمام سرکاری گاڑیاں کچرا اٹھا رہی ہیں۔ ضلع کورنگی اور وسطی میں بھی کچرا اٹھانے کے نام پر بڑے پیمانے کی کرپشن کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ سرکاری ریٹ لوکل ٹھیکیدار کے لیے 340 فی ٹن ہے جبکہ چینی کمپنیاں 19 اور 29 ڈالر میں فی ٹن کچرا اٹھا رہی ہیں۔

آئینی تضاد

تحریر: عبدالباسط شاہد

اللہ تعالیٰ نے قائداعظم کی مخلصانہ کوششوں میں برکت عطا فرمائی اور ایک آزاد مملکت پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ قائداعظم کے متعلق یہ مسلم حقیقت ہے کہ وہ قانون اور اصول کی پاسداری کرتے تھے اور ان کو کوئی تحریک یا لالچ اپنے موقف کو بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا نقطہ نظر نہایت صفائی سے بلا جھجک پیش کرتے تھے۔ مثلاً انہوں نے بڑی جرات سے اعلان کیا کہ پاکستان کو چودہ سو سال پہلے قرآن مجید کی شکل میں آئین مل چکا ہے۔ یا آپ نے ایک سے زیادہ دفعہ یہ اعلان کیا کہ پاکستان ملائیت کے فروغ کے لئے نہیں بنایا جا رہا۔ مذہبی رواداری اور وسعت نظر کے متعلق بھی ان کا موقف بہت واضح اور غیر مبہم تھا۔ قائداعظم کی افسوس ناک وفات کی وجہ سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا اور ایک عرصہ تک پاکستان کی باقاعدہ آئین سے محروم رہا۔ چوہدری محمد علی صاحب نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں اس سلسلہ میں بہت کوشش کی۔ بھٹو صاحب نے ایک متفقہ آئین بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ قرارداد مقاصد کو آئین کے دیباچہ اور بعد ازاں آئین میں شامل کر لیا گیا۔ مذہبی حلقے اس پر مطمئن اور خوش ہو گئے لیکن یہ بہت ہی عجیب اور حیران کن بات ہے کہ بھٹو صاحب کے زمانہ میں ہی آئین میں بعض ایسی ترامیم کی گئیں جو آئین کی بعض بنیادی شقوں کے خلاف تھیں۔ مذہبی آزادی یا آزادی ضمیر پاکستان کے آئین بلکہ مہذب دنیا کے ہر آئین میں شامل ہے مگر پاکستان کی پارلیمنٹ نے ایک ایسا قانون منظور کیا جس میں ایک کلمہ گو جماعت کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اس کالے قانون کے لئے جو تیاری کی گئی اس میں فساد، خونریزی، قتل و غارت اور لوٹ مار شامل تھی۔ اس زمین کو تیار کرنے کے لئے ایک مذہبی مسئلہ کو سیاسی رنگ دے کر اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا گیا۔ اس ہنگامے اور شور بدتمیزی میں جماعت کی طرف سے ہر ممکن طریق سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ مذہب کی آڑ میں سیاسی فوائد حاصل کئے جا رہے ہیں مگر اس وقت اس موقف کی ہر جماعت کی طرف سے پر زور تردید کی گئی۔ مگر اب اس کالے قانون کے نتائج بڑے خوفناک طریق سے سامنے آنے لگے تو ہر شخص اور ہر جماعت یہ ماننے پر مجبور ہے کہ مذہب کی آڑ میں سیاسی مفاد حاصل کئے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں یہ بات برسر عام بلکہ ایک گونہ فخر سے بتائی جاتی ہے کہ پاکستانی آئین کی پابندی کم ہی کرتے ہیں۔ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی، پولیس کی نظر سے بچ کر قوانین کی خلاف ورزی کرنا وغیرہ اس رجحان میں اتنی ترقی ہو گئی کہ قبضہ مافیا اور بھتہ خوری، کرپشن قسم کے خوفناک جرائم جنم لے رہے ہیں۔

PDF Compressor Free Version

وادیٔ سندھ کی تہذیب سے متعلق خوش خبری

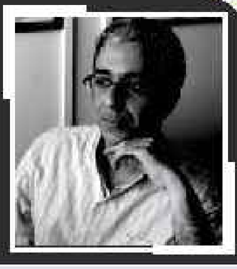

تحریر ضرار کھوڑو

خوشخبری کے ترسے ہوئے تمام لوگوں کو بالآخر گزشتہ ہفتے ایک اچھی خبر موصول ہوئی کہ فرانس وادیٔ سندھ کی تہذیب سے منسوب 445 نوادرات واپس لوٹائے گا جنہیں پاکستان سے اسمگل کر کے مغرب کے عجائب گھروں، گیلریوں اور ذاتی کلیکشنز کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔

اسمگلنگ نیٹ ورک کا 2006ء میں اس وقت انکشاف ہوا جب فرانسیسی حکام نے مٹی کے پکے برتنوں کا پارسل پکڑا تھا جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جارہا تھا کہ یہ 100 سال پرانے ہیں۔

بغور جائزہ لینے کے بعد پتہ چلا کہ یہ برتن دراصل ہزار ہا سال پرانے دفن ہوئیں چیزیں ہیں جسے ممکنہ طور پر بلوچستان سے چوری کیا گیا تھا۔ تحقیقات سے ایک گیلری کا سراغ ملا جہاں سے 6 ہزار سال تک پرانے نوادرات کو برآمد کیا گیا، جن کا تعلق مہر گڑھ تہذیب سے تھا جو دریائے سندھ کی وسیع و عریض تہذیب سے پہلے وجود میں آئی تھی یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی کا ایک حصہ تھی۔

اب دوسری خوش خبری یہ ہے کہ اس خبر کے بعد مجھے شاندار وادیٔ سندھ کی تہذیب پر قلم اٹھانے کا موقع مل گیا ہے۔ جب ہم قدیم دنیا کے اس شاندار عجوبے کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں موہن جو دڑو، ہڑپہ اور ممکنہ طور پر مہر گڑھ کے خیالات بھٹکنے لگتے ہیں۔ تحقیق کا دائرہ بھی یہیں تک محدود رکھا گیا تاہم حقیقت میں یہ تہذیب موجودہ پاکستان (یا اس سے بھی تھوڑے زیادہ) محل وقوع پر محیط تھی۔

ہندوستانی ریاست راجستھان کے علاقے کالی بنگن میں واقع آثار قدیمہ کو ہی لیجیے کہ جہاں دنیا کے پہلے ریگھاریوں والے کھیت کے آثار ملتے ہیں۔ یا پھر ہریانہ کے راکھی گڑھی کے مقام کو دیکھ لیجیے جہاں چوڑی سڑکوں اور نکاسِ آب کے منظم نظام سمیت ٹھیک ویسی ہی شاندار شہری منصوبہ بندی کے آثار کا نظارہ کیا جاسکتا ہے جو اس کھوئی ہوئی تہذیب کا خاصہ ہے۔

اس کے بعد ہے گجرات میں واقع ڈھولا ویرا نامی مقام جہاں کے آبی ذخائر یہ گواہی دیتے ہیں کہ ان کے ہاں آبی نظام کس قدر جدید تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ اس کے علاوہ ایک ایسی باؤلی دریافت ہو چکی ہے جو موہن جو دڑو کے گریٹ باتھ سے تین گنا بڑی ہیں۔

لیکن ان میں سے سب سے زیادہ دلچسپ مقام بھارتی ریاست گجرات میں واقع لوتھل کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ موہن جو دڑو کی ہی طرح لوتھل کے معنی بھی مرے ہوؤں کی پہاڑی کے ہیں اور اب تک کی معلوم تاریخ کے مطابق دنیا کی سب سے پہلی گودی (dock) کا مقام ہے جو لوتھل کو سبرمتی ندی کے ذریعے بحیرہ عرب کے ساتھ جوڑتی تھی۔

جبکہ اس نکتے پر آکر تہذیب کی تاریخ اور بھی زیادہ دلچسپ بن جاتی ہے، کیونکہ اس تہذیب کا پھیلاؤ اس قدر وسیع تھا کہ اس کے تجارتی راستے مغرب میں واقع قدیم میسوپوٹامیا کو جا پہنچتے تھے، جہاں کے باشندے ان ابتدائی دراوڑوں کو میلوہاؤں کے طور پر جانتے تھے۔ میلوہا دراوڑی لفظوں میل۔اکم سے نکلا ہوا ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں بلند پہاڑی علاقے والا ملک۔

ماہر آثار قدیمہ جین میک ان ٹوش لکھتی ہیں کہ میلوہا سے آنے والے بیڑے میسوپوٹامیا کی بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوا کرتے تھے، چند میلوہاؤں تو سومر (Sumer) میں بس گئے تھے۔ میسوپوٹامایا تہذیب سے ایک مہر دریافت ہوئی تھی جو ایک ایسے شخص کی تھی جس کا کام میلوہائی زبان کا ترجمہ کرنا ہوتا تھا۔ دوسری طرف ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہو کہ میسوپوٹامایا سے تعلق رکھنے والے لوگ دریائے سندھ کی تہذیب تک پہنچے تھے، اس لیے یہ واضح ہے کہ ہڑپہ کے باشندوں نے دو تہذیبوں کے درمیان تجارت کا کام انجام دیا تھا۔

دریائے سندھ کی تہذیب سے مغرب کی طرف برآمد ہونے والی سب سے اہم چیز تل کا تیل تھا، جسے سمیری زبان میں الو (Ilu) اور اکدی زبان میں کی ایلو (Ellu) کے نام سے جانا جاتا تھا، اور بہت ممکن ہے کہ یہ لفظ بھی دراوڑی زبان کے ایسے ہی لفظ ایل (El) یا ایلو (Ellu) سے نکلا ہے، الفاظ کے اس تعلق کی صورت میں قدیم دنیا کے باہمی رابطوں کا ہمیں ایک اور اشارہ ملتا ہے۔

PDF Compressor Free Version

ہڑپہ (جو موجودہ شہر ساہیوال کے قریب واقع ہے) سے بھی تجارتی جال کی وسعت کے ثبوت ملتے ہیں۔ اس قدیم مقام سے ایسے سیپیوں کے بنے موتی دریافت ہوئے ہیں جو اس وقت مقامی طور پر دستیاب نہیں تھے۔

تاہم موجودہ افغانستان کی شمالی سرحد کے قریب آلوس ندی کے پاس موجود شورتوگئی کے مقام کو سب سے شاندار دریافت کہا جاسکتا ہے! اس مقام سے سنگ لاجورد کی کان کنی کی جاتی تھی اور وادی سندھ برآمد کردیا جاتا تھا، یہی نہیں بلکہ بحری بیڑوں کی مدد سے میسر یہ جیسے دور دراز علاقے تک بھی پہنچایا جاتا تھا۔ پھلتے پھولتے کاروبار کے لیے ناپ تول کا یکساں نظام مطلوب ہوتا ہے اور بلاشبہ اس دور میں بھی ناپ تول کا معیاری نظام وجود رکھتا تھا اور پیمانہ پٹی ہوا کرتی تھی جس پر جدید دور کے انچ جیسے پیمائشی یونٹس درج ہوا کرتے تھے۔

ہم اس تہذیب کی اس شہری منصوبہ بندی بشمول وسیع سڑکوں، منظم رہائشی اور نکاسِ آب کے نظام کی روشن مثال سے آشنا ہیں جسے 18ویں صدی میں یورپ میں ہو بہو نقل کیا تھا۔ اگر ہڑپہ کے رہائشی پاکستان کے کئی علاقوں میں نکاسِ آب کے ابتر نظام کو دیکھتے تو ان کے سر پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور بہت ہی مایوس ہوتے۔

مگر ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ دیگر قدیم تہذیبوں کے برعکس اس تہذیب میں ہمیں منظم فوج کی موجودگی کا خاطر خواہ ثبوت حاصل نہیں ہوا ہے اور نہ ہی عالیشان محلات اور عسکری نقوش سے سجی دیواروں کے آثار ابھی تک دریافت ہوئے ہیں جو آشوری اور بابلی تہذیب کا خاصہ ہیں۔

آج تک جس بات کا افسوس رہا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی زبان ناقابلِ فہم ہی رہی، اور اس بات کا زیادہ امکان نہیں کہ ہمیں کہیں سے ایک روزیٹا پتھر حاصل ہوجائے گا جو ساری گتھی کھول دے گا۔

ایک اور پہیلی بھی ہے اور وہ یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ اس تہذیب کا خاتمہ کیسے ہوا۔ حملے کے ثبوت تو ملتے ہیں لیکن یہ امکان بہت کم ہے کہ تہذیب کے خاتمے کی یہی سب سے اہم وجہ تھی۔

بلاشبہ ماضی کی جانب سے ملنے والی ایک سخت وارننگ میں ہمیں ایسا پیغام موصول ہوتا ہوا نظر آتا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی ہی وہ سب سے بڑی مجرم رہی ہے جو خشک سالی اور لوگوں کی ہجرت کا باعث بنی اور یوں نظام ٹوٹا پھر خود تہذیب ہی ڈھے گئی۔

بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (بشکریہ ڈان نیوز)

لفظوں کا استعمال۔۔۔۔!

یونیورسٹی کے دنوں کی بات ہے مجھے اخراجات پورے کرنے کیلئے ایک ہوم ٹیوشن پڑھانے جانا پڑتا تھا۔ چھوٹی اقصیٰ چوتھی میں پڑھتی تھی جبکہ عباس چھٹی میں پڑھتا تھا۔ بچے بہت ذہین تھے اکثر ہی خاموش کر دیتے تھے ایک دن اقصیٰ کہنے لگی: "سر خسرے کسے کہتے ہیں؟" میں خاموش کہ بچے کو کیا کہوں..." بیٹا یہ جو شادیوں میں ناچتے ہیں.." "سر وہ تو بابا اور ماموں بھی ناچتے ہیں کیا وہ خسرے ہیں" "نہیں بیٹا یہ عورتوں جیسے ہوتے ہیں..." میں نے فوراً وضاحت پیش کی.. "اچھا اچھا ہماری پھپھو بھی شادی میں خسرا لگتی ہیں ایک دن مما کہہ رہی تھی کہ شائستہ ایسے تیار ہوتی ہے جیسے خسرا ہو" وہ اپنے گھر کے حالات بیان کرنے لگی۔ "نہیں بیٹا یہ وہ مرد ہوتے ہیں جو زنانہ لباس میں ڈھول پر ناچتے ہیں" "سر سب ہی ڈھول کی آواز پر ناچتے ہیں واشنگ مشین کی آواز پر کون ناچتا ہے" عباس بھی فیصل آبادی آباؤ اجداد کا تھا... میں ایک دفعہ پھر لاجواب ہونے لگا... پھر یکدم ایک بات ذہن میں آئی "بیٹا یہ لفظ سنا کہاں سے ہے؟" میں نے سوچا انکو اسی حساب سے جواب دوں.. "سر وہ باہر دیوار پر لکھا ہوا تھا" یہاں خسرے کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں" اب واقعی میں خاموش ہوگیا" بیٹا یہ خسرا نہیں خسرا ہوتا ہے۔"

مقابلہ ڈاکومینٹریز

لاہور انٹرنیشنل کے یوٹیوب چینل کے لئے مختصر دورانیے کی ڈاکومینٹریز بنائیں اور انعام پائیں۔ زیادہ سے زیادہ ویڈیوز بھجوائیں اتنے زیادہ جیتنے کے مواقع پائیں۔ ان ڈاکومینٹریز کا موضوع معاشرتی، معاشی،...... ہو۔ ان ڈاکومینٹریز کو یوٹیوب چینل پر اپلوڈ کیا جائے گا۔ تکنیکی معاملات کے ساتھ ساتھ نتائج کا فیصلہ...... اس کو دیکھے جانے اور ناظرین کی پسند ناپسند دیکھ کر کیا جائے گا۔

ہر ماہ ڈاکومنٹریز کو انعامات دیئے جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ ڈاکومینٹریز بھجوانے والے کو بھی انعامات دیئے جائیں گے۔

PDF Compressor Free Version

ایک سبق آموز نصیحت

لاہور انٹرنیشنل نیوز ڈیسک

جنازے میں صرف پچاس ساٹھ لوگ تھے، سلام پھیرا گیا، مولوی صاحب نے دعا کرائی اور لوگوں نے تعزیت کے لیے لواحقین کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا۔

مرحوم کا ایک ہی بیٹا تھا، وہ لندن میں تھا، وہ وقت پر پاکستان نہ پہنچ سکا چنانچہ وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس سے پرسا کیا جا سکتا، لوگوں نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر گرمی کی وجہ سے ایک ایک کر کے چھٹنے لگے۔

تدفین کا وقت آیا تو قبرستان میں صرف چھ لوگ تھے، مستنصر حسین تارڑ، یہ مرحوم کے عزیز ترین دوست تھے۔ یہ وہاں موجود تھے، دوسرا شخص مرحوم کا پبلشر تھا، یہ پچھلی دو دہائیوں سے ان کی کتابیں چھاپ رہا تھا لہٰذا یہ بھی وہاں رک گیا اور باقی چار لوگ گھریلو ملازم تھے، یہ آخری وقت تک صاحب کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔

میت اٹھائی گئی، قبر میں رکھی گئی، مٹی ڈالی گئی، تازہ مٹی میں درخت کی سبز شاخ بھی ٹھونک دی گئی۔

گورکن نے قبر پر چھڑکاؤ کیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، تدفین میں مصروف لوگوں نے بھی ہاتھ جھاڑے اور دعا میں شامل ہو گئے اور یوں ملک کے سب سے بڑے ادیب، بڑے ناول نگار کا سفرِ حیات اختتام پذیر ہو گیا، ایک کہانی تھی جو 4 جولائی 2015 کو ڈی ایچ اے لاہور کے قبرستان میں دفن ہو گئی۔

یہ کون تھا؟ یہ "عبداللہ حسین" تھے،

وہ عبداللہ حسین جن کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں، پاکستان نے 68 سالوں میں بین الاقوامی سطح کا صرف ایک ناول نگار پیدا کیا اور وہ ناول نگار عبداللہ حسین تھے۔

عبداللہ حسین 14 اگست 1931ء میں راولپنڈی میں پیدا ہوئے، اصل نام محمد خان تھا، سولہ سال کی عمر میں ہندوستان کی تقسیم دیکھی، قیام پاکستان کے دوران انسان کا ایسا بھیانک چہرہ سامنے آیا کہ مذہب، انسانیت اور اخلاقیات تینوں سے اعتبار اٹھ گیا اور وہ مذہب اور انسانیت دونوں کے باغی ہو گئے۔

تقسیم کے واقعات نے عبداللہ حسین کے ذہن پر خوفناک اثرات چھوڑے، وہ 1952ء میں داؤد خیل کی سیمنٹ فیکٹری میں بطور انجینئر کام کرتے تھے، انھوں نے وہاں قلم اٹھایا اور "اداس نسلوں" کے نام سے اردو زبان کا ماسٹر پیس تخلیق کر دیا۔

یہ ناول محض ایک ناول نہیں تھا، یہ ان نسلوں کا نوحہ تھا جنھوں نے تقسیم ہند کے دوران پرورش پائی اور یہ کندھوں پر اداسی کی صلیب اٹھا کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئیں، یہ ناول ایک تہلکہ تھا، یہ تہلکہ پاکستان میں بھی چھپا اور سرحد پار ہندوستان میں بھی۔

"اداس نسلیں" آج تک اردو کا شاندار ترین ناول ہے، یہ ناول عبداللہ حسین نے 32 سال کی عمر میں لکھا، صدر پاکستان ایوب خان نے انھیں 34 سال کی عمر میں ادب کا سب سے بڑا اعزاز "آدم جی ایوارڈ" دیا

یہ برطانیہ شفٹ ہو گئے، 40 سال برطانیہ رہے، برطانیہ میں قیام کے دوران مزید دو ناول لکھے، دو ناولٹ بھی تخلیق کیے اور درجنوں افسانے بھی لکھے، عبداللہ حسین نے ایک ناول انگریزی زبان میں بھی لکھا، یہ سارے افسانے، یہ سارے ناولٹ اور یہ سارے ناول ماسٹر پیس ہیں۔

چند سال پہلے لندن سے پاکستان شفٹ ہوئے اور لاہور میں اپنی بیٹی کے گھر میں رہائش پذیر ہو گئے، عطاء الحق قاسمی صاحب ان کے بہت بڑے فین ہیں، یہ ان تک پہنچے اور یہ انھیں کھینچ کھانچ کر ادبی سرگرمیوں میں لے آئے۔

عرفان جاوید نے بھی ان پر بہت محنت کی، ان کا طویل انٹرویو کرنے میں بھی کامیاب ہوئے اور آپ ان کی میزبانی اور مہمان نوازی کا لطف بھی اٹھاتے رہے، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے ادبی میلوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔

یہ خون کے سرطان میں مبتلا تھے، بیماری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ 4 جولائی 2015ء کو 84 سال کی عمر میں لاہور میں انتقال فرما گئے،

بیگم کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے، وہ برطانیہ میں ہی رہ گئیں،

بیٹا لندن میں رہتا تھا، وہ جنازے پر نہ پہنچ سکا، عطاء الحق قاسمی نے احباب کو اطلاع دی، یوں پچاس ساٹھ لوگ ملک کے سب سے بڑے ادیب کی آخری رسومات میں شریک ہو گئے، یہ المیہ عبداللہ حسین کی موت کے المیے سے بھی بڑا المیہ تھا۔

ہم لوگ اس المیے سے دو سبق سیکھ سکتے ہیں، ایک سبق ہم عام لوگوں کے لیے ہے اور دوسرا ریاست کے لیے۔ ہم لوگ بہت بدقسمت ہیں، ہم کام، شہرت اور دولت کی دھن میں خاندان کو ہمیشہ پیچھے چھوڑ دیتے ہیں، ہم کیریئر بناتے رہتے ہیں، شہرت سمیٹتے رہتے ہیں اور اس دوڑ کی دھوپ ہمارے خاندان کی موم کو پگھلاتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب زندگی کی شام ہوتی ہے تو ہمارے طاقوں

PDF Compressor Free Version

میں پگھلی ہوئی موم کی چند یادوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

میں بے شمار ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو اپنے بچوں کے بچپن کو اس لیے انجوائے نہ کر سکے کہ یہ بچوں کے اعلیٰ مستقبل کے لیے سرمایہ جمع کر رہے تھے۔

بچے بڑے ہوئے تو انھوں نے اپنی پوری جمع پونجی لگا کر بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھجوا دیا، بچے جہاں گئے وہ وہاں سے واپس نہ آئے اور یوں ان کے جنازے ملازمین ہی نے پڑھے اور ملازمین ہی نے انھیں دفن کیا،

میں ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو پوری زندگی شہرت جمع کرتے کرتے مر گئے اور ان کے جنازے میں ان کا کوئی عزیز، رشتے دار اور دوست تھا اور نہ ہی وہ لوگ جو زندگی میں ان کے ہاتھ چومتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں پر ان کے آٹو گراف لیتے تھے۔

میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے جو امن، انصاف، خوش حالی اور مطمئن زندگی کے لیے خاندان کو ملک سے باہر لے گئے، آخر میں خود واپس آ گئے، خاندان وہیں رہ گیا اور جب انتقال ہوا تو بچوں کو چھٹی ملی اور نہ ہی فلائیٹ۔

اور میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جو زندگی میں غرور کا نغ ہوتے تھے، جنھوں نے زندگی اقتدار کا الف اور شہرت کی ش بن کر گزاری لیکن جب یہ مرے تو دس دس سال تک کوئی ان کی قبر پر فاتحہ کے لیے نہ آیا، کسی نے ان کے سرہانے دیا تک نہ جلایا۔

چنانچہ سبق یہ ہے کہ، آپ اپنی اولاد، اپنے خاندن کو کبھی تعلیم، روزگار، کام، شہرت، اقتدار اور سکیورٹی کے نام پر اپنے آپ سے اتنا دور نہ کریں کہ یہ آپ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکیں اور آپ کی قبریں دس دس سال تک ان کے قدموں کو ترستی رہیں۔

مشہور امپائر علیم ڈار

تحریر عبدالماجد بھٹی

مشہور امپائر علیم ڈار سب سے زیادہ ٹیسٹ اور ون ڈے انٹرنیشنل میچوں کے عالمی ریکارڈ کے قریب آرہے ہیں امکان ہے کہ وہ اگلے چند ماہ میں ریکارڈ ساز امپائر بن جائیں گے۔

پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ امپائر علیم ڈار انگلینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان ایشیز سیریز کے 2 ٹیسٹ میچوں میں امپائرنگ کریں گے۔ سیریز کا دوسرا ٹیسٹ ان کے کیریئر کا 128 واں ٹیسٹ ہوگا اس طرح وہ ویسٹ انڈیز کے مشہور امپائر اسٹیو بکنر کا عالمی ریکارڈ برابر کردیں گے۔

بکنر نے 1989 سے 2009 تک امپائرنگ کی تھی، امپائرنگ کے اسی بلند معیار کی وجہ سے وہ 3 بار آئی سی سی کے بہترین امپائر کا ایوارڈ بھی جیت چکے ہیں۔

علیم ڈار کو جنوبی افریقا کے روڈی کوئرزن کے سب سے زیادہ 209 ون ڈے انٹرنیشنل کا عالمی ریکارڈ برابر کرنے کے لئے مزید 4 ون ڈے میچوں کی ضرورت ہے۔

51 سالہ علیم ڈار نے 3 دن پہلے لارڈز میں انگلینڈ اور آئرلینڈ کے ٹیسٹ میچ میں امپائرنگ کی تھی۔

انھیں 126 ٹیسٹ 206 ون ڈے انٹرنیشنل اور 43 ٹی ٹوئنٹی انٹرنیشنل میں امپائرنگ کا اعزاز حاصل ہے۔

آئی سی سی کے ایلیٹ پینل میں شامل پاکستانی امپائر علیم ڈار کو ورلڈ کپ کے سیمی فائنل کے بعد لارڈز کے متنازع فائنل میں بھی امپائرنگ نہیں دی گئی تھی۔

علیم ڈار نے 2007 اور 2011 کے عالمی کپ کے فائنل میچز میں امپائرنگ کی تھی، 2007 کے فائنل میں کم روشنی کے باوجود کھیل جاری رکھنے کے تنازع کے سبب انھیں اور ان کے دیگر ساتھی امپائرز کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد ہونے والے پہلے ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ میں انھیں امپائرز پینل میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

اسی طرح 2015 کے عالمی کپ کے 2 میچوں میں ان کے 2 فیصلے تنقید کی زد میں آئے تھے جس کے بعد وہ سیمی فائنل اور فائنل میں امپائرنگ نہیں کر سکے تھے تاہم مجموعی طور پر علیم ڈار کا امپائرنگ کیریئر بہت شاندار رہا ہے جس میں ان کے درست فیصلے مثال کے طور پر پیش کیے جاتے رہے ہیں۔

PDF Compressor Free Version

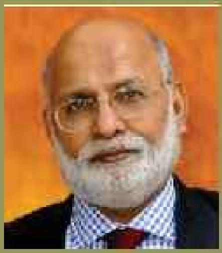

مولانا مودودی کے بیٹے کی کتاب اور انکشافات

تحریر محمد اظہار الحق

"آفتاب علم و عرفان سید ابوالاعلیٰ مودودی" کے عنوان سے مولانا مودودی کے بیٹے سید حسین فاروق مودودی کی تصنیف منظر عام پر آئی ہے۔ مطبع کا نام عفاف پرنٹرز اردو بازار لاہور ہے۔ کتاب پر "ترجمان القرآن پبلی کیشنز 5۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور" کا نام بھی درج ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر مولانا مرحوم کے خاندان اور جماعت اسلامی کے درمیان نزاع کی تفصیل ہے تاہم اس میں کچھ اطلاعات ایسی بھی ہیں جو ہمارے ملک کی سیاست، نظام اور ہماری قومی اخلاقیات کے متعلق بہت کچھ بتاتی ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کے حوالے سے سید حسین فاروق مودودی لکھتے ہیں۔ "مولانا مودودی اپنے خداداد فہم کے باعث جنرل ضیاء سے نالاں اور بددل ہو گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ اسلام کی ترویج و ترقی کے لئے جس خلوص کی ضرورت ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جنرل ضیاء کے اقدامات بے فائدہ ہوں گے۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ ایسے موقع پر مولانا کی بنائی جماعت جس کی آبیاری انہوں نے خون جگر سے کی تھی وہی جماعت اسلامی جنرل ضیاء کے عہد حکومت میں اور بعد ازاں افغان جنگ کی سرخیل بن کر بے پناہ مالی منفعت میں حصہ دار بنی۔ لوگوں کے جوان بچے مارے گئے اور نام استعمال ہوا جہاد اور اسلام کا مگر نہ کہیں باران رحمت کی گھٹا اٹھی اور نہ ہی کوئی روئیدگی ممکن ہوئی"

آگے چل کر لکھتے ہیں

"جماعت کے نظام اور روایات میں بتدریج انحطاط کا اندازہ مولانا (ہمارے والد) کو ہوتا جا رہا تھا۔ قیادت کا ایک معتد بہ حصہ اب انہیں اپنے ہدف کے حصول کی راہ میں رکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ جماعت میں امارت کے لئے انتخاب کی غرض سے ہر قسم کی کنویسنگ انتہائی قابل اعتراض اور ممنوع تھی بلکہ اس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ سب کچھ بھلا دیا گیا۔ جب غلام اعظم صاحب کے کامیاب ہونے کا واضح امکان تھا تو نتائج تبدیل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح بقول میاں صاحب کے چودھری رحمت الٰہی صاحب کی جگہ قاضی حسین احمد صاحب کی کامیابی ممکن بنائی گئی اور یہ سب انجینیرڈ انتخاب کا نتیجہ تھا۔ بعد ازاں موجودہ امیر جماعت سراج الحق کا انتخاب بھی اسی طرح ممکن ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مقتدر حلقوں کو منور حسن صاحب قبول نہیں تھے جس کی وجہ غالباً ان کے بعض بیانات تھے جس میں مسلح افواج بمقابلہ طالبان کا تذکرہ آیا تھا۔ ان انتخابات میں پوسٹل بیلٹ کے تقریباً تین سو سے زائد ووٹوں کے لفافے ہی غائب ہو گئے اور ناظم انتخابات جناب عبدالحفیظ صاحب جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے کو سراج الحق صاحب کی کامیابی کا اعلان کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ بات انہوں نے خود عبدالوحید سلیمانی صاحب کو انتہائی دکھ کے ساتھ بتائی تھی۔ جہاں سے مجھ تک پہنچی۔ (سلیمانی صاحب حکیم محمد عبداللہ جہانیاں والے کے صاحبزادے تھے اور رکن جماعت تھے)" (صفحات 138 تا 140)

مولانا مودودی مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ صاحب کتاب لکھتے ہیں

"ملک کے اطراف و اکناف سے مولانا سے استعفیٰ واپس لینے کی بے شمار اپیلیں کی جانے لگیں۔ کراچی کے ایک اہم صاحب علم رکن جماعت جناب مصباح الاسلام فاروقی، جو صاحب تصنیف و صاحب قلم بھی تھے جماعت یعنی مولانا کی قائم کردہ 'اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی' سے وابستہ تھے، نے شدید احتجاج کیا اور اس حوالہ سے ایک پمفلٹ لکھ کر شائع کیا۔ اسلامی اکیڈمی کے انتظامی سربراہ جناب منور حسن تھے انہوں نے فی الفور مصباح الاسلام فاروقی صاحب کی تنخواہ اور مراعات منقطع کر دیں اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا 'اب تم اگر گھٹنوں کے بل چل کر بھی آئے تو کچھ نہیں ملے گا' (صفحہ 140)"

حکومتی مراعات کے حوالے سے سید حسین فاروق مودودی رقم طراز ہیں۔ "مولانا اصحاب اقتدار سے ذاتی یا سماجی روابط قائم کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ افسوس کہ یہ روایت اکابر جماعت جو مولانا کے بعد جماعت کے ذمہ داران مقرر ہوئے برقرار نہ رکھ سکے۔ خود میاں صاحب نے اپنے صاحبزادے کی شادی کے موقع پر دعوت ولیمہ میں صدر جنرل ضیاء الحق کو مدعو کیا۔ یوں جماعت مارشل لا کی بی ٹیم بھی کہلائی۔ میاں صاحب نے جنرل ضیا سے اپنے بعض اعزہ کے لئے ضرورتاً سفارش بھی دو ایک مواقع پر کی۔ ایک بار جنرل صاحب نے بالآخر ناگواری کا اظہار بھی کیا" (صفحہ 145)

"پلاننگ کمیشن کے چیئرمین اور منسٹری کا عہدہ جنرل ضیا نے جماعت کے کوٹے کے علاوہ پروفیسر خورشید احمد صاحب کو دیا تھا۔ اس عہدہ سے قبل بھی جنرل ضیاء الحق نے خورشید صاحب پر نوازشات شروع کر دی تھیں۔ ان کو پی آئی اے کی

PDF Compressor Free Version

انکوائری کروانے کی ذمہ داری گئی جو انہوں نے اپنے ادارے آئی پی ایس کے تحت کروائی۔ اس انکوائری کے عوض ایک خطیر رقم موصوف کو ادا کی گئی۔ اس کی فائل میں نے خود دیکھی تھی جس پر ایک افسر نے نوٹ لکھا تھا کہ یہ بالکل ٹھیک' اور بچگانہ سی انکوائری ہے۔ لگتا ہے کہ گھر بیٹھ کر تیار کی گئی چنانچہ اس پر کوئی عنایت نہ کی جائے جس کو کاٹ کر جنرل ضیاء نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے لکھا کہ فوراً ادائیگی کی جائے۔ اس کے علاوہ اسلام آباد کے بلیو ایریا میں ایک نہایت قیمتی پلاٹ بھی پروفیسر خورشید کو بالکل مفت الاٹ کیا گیا جہاں پر اب آئی پی ایس کی بلڈنگ موجود ہے" (صفحہ 149)

"ایک واقعہ کا ذکر مجھ سے محمد صلاح الدین صاحب (جسارت اور تکبیر کے ایڈیٹر) نے کیا جس کی تصدیق جناب الطاف حسن قریشی نے بھی کی۔ میاں نواز شریف کی پہلی وزارت عظمیٰ کے دوران ایک ملاقات کے سلسلے میں وزیر اعظم کے دفتر میں جناب صلاح الدین الطاف حسن قریشی اور غالباً مصطفیٰ صادق داخل ہو رہے تھے تو وزیر اعظم کے دفتر سے قاضی حسین احمد، پروفیسر خورشید اور جماعت کے ایک اور معروف رہنما باہر نکل رہے تھے نکلنے والے تینوں حضرات کے ہاتھوں میں بڑے سائز کے بریف کیس تھے صلاح الدین صاحب سے ملاقات میں نواز شریف نے بتایا کہ انہوں نے تینوں کو بہت بڑی رقم فراہم کی ہے" (صفحہ 150)

جماعت کی طلبہ تنظیم جمعیت کے حوالے سے بھی حسین فاروق مودودی نے کچھ واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

"قیام پاکستان کے بعد جن دنوں جمعیت طلبہ کے قیام کے لئے جماعت کی شوریٰ میں مشاورت ہو رہی تھی، ایک موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی نے نکتہ اعتراض اٹھایا کہ آپ لوگ یہ کیا غضب کرنے لگے ہیں؟ کیا اب طالب علموں کے ہاتھوں سے کتابیں لے کر انہیں اپنے سیاسی پمفلٹ تھمائیں گے؟ یہ بہت غلط بات ہوگی۔ اصلاحی صاحب کے اعتراض پر میاں طفیل صاحب برہم ہوئے اور جذباتی انداز میں کہا کہ یہی نوجوان تو ہماری آئندہ سیاسی تگ ودو کی اصل طاقت ہوں گے۔ بعد کے حالات سے ثابت ہو گیا کہ مولانا اصلاحی کا استدلال بجا تھا۔" (صفحہ 145)

"ابا جان مرحوم کی زندگی ہی میں پنجاب یونیورسٹی میں اس وقت کے سٹوڈنٹس یونین کے صدر حافظ محمد ادریس صاحب نے جمعیت کے دوسرے لڑکوں کے ہمراہ اس وقت کے وی سی علامہ علاء الدین صدیقی کے گھر میں زبردستی گھس کر توڑ پھوڑ کروائی اور محترم استاد کے ساتھ زیادتی اور گالم گلوچ کی جس کی تفصیل دوسرے روز تمام اخبارات کی ہیڈ لائن بنی۔ اس کے جواب میں ہمارے والد مرحوم نے علاء الدین صدیقی صاحب سے بذات خود معافی مانگی اور اخبارات میں جو بیان ان کا چھپا اس میں انہوں نے کہا کہ جمعیت نے میری زندگی بھر کی تربیت اور سارے کام اور محنت پر پانی پھیر دیا ہے۔ ان کے بعد کے ادوار میں جناب۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ یونیورسٹی کے امتحان دیتے ہوئے کتابوں سے نقل کرتے ہوئے پائے گئے جبکہ ان کے دونوں طرف جمعیت کے مسلح لڑکے کھڑے ہوتے تھے۔ اس دور کے کچھ اساتذہ اور طلبہ اب بھی زندہ ہوں گے جو اس منظر کی شہادت دے سکتے ہیں"

"زبردستی اساتذہ کا ٹرانسفر اور طلبہ کا ایڈمشن اور دوسری من مانی کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے بہت سے اساتذہ اور طلبہ نے امیر جماعت اور نعیم صدیقی صاحب سے شکایات کرنی شروع کیں، بے شمار خطوط روزانہ موصول ہونے لگے جس پر نعیم صدیقی صاحب نے اشارات میں لکھنا شروع کیا۔ اشارات کا شروع دن سے یہی مقصد رہا تھا کہ ارکان کو ہدایات، اصلاح اور رہنمائی فراہم کی جائے۔ اس وقت قاضی صاحب کی امارت کا دور شروع ہو چکا تھا۔ بقول نعیم صدیقی صاحب کے ایک دن صبح کے وقت اچانک ان کے گھر قاضی صاحب مرحوم آدھمکے۔ نعیم صدیقی ان دنوں منصورہ میں جماعت کے ایک فلیٹ میں رہائش پذیر تھے اور ترجمان القرآن کے مدیر تھے۔ دعا سلام کے بعد انتہائی تحکمانہ انداز میں حکم دیا کہ آئندہ ماہ سے ترجمان کے اشارات وہ خود لکھیں گے اور آپ یہ جماعت کا فلیٹ بھی خالی کر دیں اور یہ حکم صادر کر کے بغیر کسی دعا سلام کے ان کی نشست گاہ سے چلے گئے" (صفحہ 182 تا 184)

حسین فاروق مولانا مودودی کا بیٹا ہونے کے ناتے "اندر" کے آدمی ہیں۔ ان کے بیانات اور الزامات درست ہیں یا غلط، بہر طور سنگین ضرور ہیں۔ جماعت اسلامی آج بھی لاکھوں پاکستانیوں کے نزدیک ایک قابل قدر جماعت اور امیدوں کا مرکز ہے حسین فاروق مودودی صاحب کے الزامات کا مسکت جواب دینا ان لاکھوں پاکستانیوں کے دل کی آواز ہوگی۔ جماعت کے اصحاب حل وعقد اپنی ذمہ داریاں بہتر سمجھتے ہیں مگر منطقی طور پر انہیں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ یہ مقدمہ امریکی عدالت میں بھی دائر کیا جا سکتا ہے جہاں حسین فاروق مقیم ہیں اور جہاں جماعت کا بھی مضبوط سیٹ اپ موجود ہے۔ لمحہ موجود میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ

کس کا یقین کیجیے کس کا یقیں نہ کیجیے
لائے ہیں بزمِ ناز سے یار خبر الگ الگ

PDF Compressor Free Version

اور جہاز پھٹ گیا

الیکشن 1977 میں پینتیس سیٹوں پر ہونے والی دھاندلی کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں تھا جس کے لئے بھٹو کے خلاف تحریک چلائی گئی تاکہ اسے اقتدار کے ایوانوں سے نکال باہر کیا جائے حالانکہ بھٹو ان سیٹوں پر دوبارہ الیکشن کے لئے تیار بھی ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں اتی کہ صرف اڑھائی سال پہلے پاکستان بھر کے ملاوں نے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے عوض بھٹو کے جوتے اپنی داڑھیوں سے پالش کرنے کے وعدے کئے تھے اور فیصلہ ہونے پر بھٹو کو تاج وتخت ختم نبوت کا وارث قرار دے کر جنت کی چابی اُس کے ہاتھ میں تھمادی تھی اور اسے عالم اسلام کا بے مثال ہیرو بنا کر پیش کیا تھا۔ اتنے عظیم الشان رُتبے کے مقابل پر پینتیس سیٹوں پر دھاندلی کوئی اتنا بڑا جُرم نہیں تھا جو قابل معافی نہ ہوتا پھر ملاوں نے کیوں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے نام پر ملک بھر میں طوفان برپا کیا۔ بھٹو کے سر سے ختم نبوت کا تاج اُتار لیا گیا اور اسے اپنی ہی عطا کردہ جنت الفردوس کے بالا خانے سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور اخرکار ملٹری ڈکٹیٹر کی مدد سے تختہ دار پر کھینچ کر گھٹے کی موت مار دیا۔ اور وہ لوگ جو احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر بھٹو کے حق میں تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے وہ بھٹو کی حکومت کا تختہ اُلٹے جانے پر بھی تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے (کیا یہ کُھلا تضاد نہیں ؟؟؟)۔ یہ انقلاب کیسے رونما ہُوا اسے سوائے احمدیوں کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اس بات کا بھٹو کو بھی اندازہ تھا۔ کرنل رفیع نے اپنی کتاب بھٹو کے اخری 323 روز میں لکھا ہے کہ بھٹو کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ احمدی کہتے ہیں کہ بھٹو پر یہ مصیبت عزاب الٰہی ہے جو ان پر کئے گئے ظلم وستم کا نتیجہ ہے۔ دراصل بھٹو بہت ہی احسان فراموش شخص تھا اُس نے اپنے محسنوں سے ہمیشہ بُرا سلوک کیا خُود اپنی پارٹی کے بانی اراکین کو بے عزت کر کے اور ٹھڈے مار کر پارٹی سے نکال دیا ڈاکٹر مبشر حسن، جے اے رحیم معراج محمد خان، مختار رانا اور ایسے بے شمار اور لوگ تھے جن کے ساتھ تضحیک آمیز سلوک کیا گیا۔

پی این اے کی تحریک کے نتیجے میں 5 جولائی 1977 کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور 90 دن میں عام انتخابات کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن بعد میں جس طرح ان نوے دنوں کو طول دے کر گیارہ سالوں تک پھیلا دیا گیا وہ جھوٹ اور منافقت کی ایک شرمناک داستان ہے۔ جنرل ضیاء نے اتے ہی ایک بہت خوبصورت بات کی تھی کہ "اپنا عقیدہ مت چھوڑو اور دوسرے کے عقیدے کو مت چھیڑو" مگر اس منافق شخص نے بعد میں اپنے ہی اس قول کی دھجیاں بکھیر دیں اور وطن عزیز کی سب سے محب وطن اور پُر امن جماعت احمدیہ کو اپنی نفرت کے نشانے پر رکھ لیا۔ اور 26 اپریل 1984 کو ایک صدارتی آرڈیننس کے زریعہ معصوم احمدیوں کو اپنے تمام مزہبی حقوق سے محروم کر دیا۔ یہ شخص امیر المومنین بننے کی کوشش میں تھا لیکن آخرکار امیر المنافقین کا لقب پا کر عبرت کی موت مرا اور احمدیت کی صداقت پر مُہر لگا گیا۔

اس ساری کہانی کو سمجھنے کے لئے کچھ تاریخی حقائق کا جاننا ضروری ہے خاص طور پر اُن نوجوانوں کے لئے جنہوں نے یہ دور نہیں دیکھا۔

جنرل یحٰی خان 1970 اور 1971 میں پاکستان کا صدر تھا۔ جماعت احمدیہ کے نامور فرزند اور عالمی شہرت یافتہ ماہر اقتصادیات مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) اس وقت سیکرٹری خزانہ اور پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کمیشن کے چئرمین تھے۔ اپنے ایک غیر ملکی دورے کے دوران یحٰی خان نے ایم ایم احمد کو قائم مقام صدر کے عہدے کے لئے نامزد کیا۔ جب اپ دفتر جانے کے لئے لفٹ میں سوار ہُوئے تو ایک شخص اسلم قریشی نے جو لفٹ اپریٹر تھا ایم ایم احمد پر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اسلم قریشی کو بعد میں کس طرح جماعت کے خلاف استعمال کیا گیا اس کا ذکر آگے آئے گا۔

عام انتخابات 1970 میں جماعت احمدیہ نے ذوالفقار علی بُھٹو کی حمایت کی اور اپنی زبردست تنظیمی قابلیت اور حکمت عملی سے بھٹو کو کامیاب کروایا۔ اس ساری مُہم کے انچارج حضرت مرزا طاہر احمد صاحب تھے جو بعد میں جماعت کے چوتھے سربراہ بنے۔

انیس سو چوہتر (1974) میں بھٹو دور میں ایک خوفناک فساد کے بعد احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

پانچ جولائی (5 جولائی 1977) کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو برطرف کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ چار اپریل 1979 کو بھٹو کو ملک پھانسی دے دی گئی۔

انیس سو بیاسی (1982) میں حضرت مرزا طاہر احمد جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ منتخب ہُوئے۔ اپ کے خلیفہ بنتے ہی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں میں بہت تیزی اگئی اور ملک میں کثرت سے لوگ احمدیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے۔

PDF Compressor Free Version

اس صورت حال پر ملک بھر کے مولوی بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگے اور انہوں نے جنرل ضیاء الحق سے مل کر جماعت پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کرلیا۔

پوری منصوبہ بندی کے زریعہ سے اسلم قریشی کو غائب کروا دیا گیا اور طے شدہ منصوبے کے زریعے اس کے اغوا اور قتل کا الزام حضرت مرزا طاہر احمد پر لگا دیا۔ یہ دعوی بار بار بڑی شدومد کے ساتھ دھرایا جانے لگا۔ حتی کہ جماعت کے ایک ازلی دشمن مولوی منظور چنیوٹی نے یہاں تک کہ دیا کہ اگر مرزا طاہر احمد پر اغوا اور قتل ثابت نہ ہُوا تو اسے چنیوٹ کے تحصیل چوک میں پھانسی دے دی جائے۔

اسی سال انڈیا میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے سکھوں کی حمایت میں حکومت کے خلاف ایک زبردست مزاحمتی تحریک کا آغاز کیا جو دو سال تک چلتی رہی۔ اندرا گاندھی کی حکومت نے اس تحریک سے آہنی ہاتھوں سے نپٹنے کا فیصلہ کیا۔ 1984 میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو امرتسر کے گولڈن ٹمپل میں "اپریشن بلیوسٹار" کے زریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس آپریشن میں چھ ڈویزن فوج نے حصہ لیا۔ جنرل ضیا نے اس اپریشن سے متاثر ہو کر اسی نوعیت کا آپریشن جماعت احمدیہ کے خلاف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلے سال 1983 میں پاکستان پیپلز پارٹی نے ایم ار ڈی (تحریک بحالئ جمہوریت) کے پلیٹ فارم سے جنرل ضیاء الحق کے خلاف ایک پُرتشدد تحریک کا آغاز کیا۔ جنرل ضیاء نے اس تحریک کو فوج کی مدد سے کچل دیا۔ 1982 میں مرزا طاہر احمد امام جماعت احمدیہ منتخب ہُوئے اور ایک سال بعد 1983 میں ایم ار ڈی کی تحریک اٹھی۔ چونکہ الیکشن 1970 میں پاکستان پیپلز پارٹی کو آرگنائز کرنے اور الیکشن میں کامیاب کروانے میں مرزا طاہر احمد کی زبردست حکمت عملی اور قائدانہ صلاحیتوں کا دخل تھا اور ملک کے مقتدر حلقے اس بات سے اچھی طرح اگاہ تھے اس لئے ایم ار ڈی کی تحریک کو بھی مرزا طاہر احمد کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

حضرت امام جماعت احمدیہ اس سارے گھناونے منصوبے سے آگاہ تھے اور مسلسل جماعت کی راھنمائی فرما رہے تھے اور انہیں انے والے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ اوائل دسمبر 1983 میں لندن میں ایک سیرت کانفرنس ہُوئی اس میں جنرل ضیا کا بیان پڑھ کر سنایا گیا اس بیان میں ضیاء نے احمدیت کو کینسر سے تشبیہ دے کر اسے جڑ سے اُکھاڑنے کے عزم کا ارادہ ظاہر کیا۔

اسی سال اخر دسمبر میں ربوہ میں جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت موسیٰ اور ان کے حواریوں کے ساتھ فرعون کے سلوک کا زکر فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ کے حواریوں کو خطرناک نتائج کی دھمکی دی جس کے جواب میں حواریوں نے کہا کہ تم سے جو ہو سکتا ہے کر گزرو ہم اپنی جانیں قربان کردیں گے مگر سچائی کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حضور نے بڑے جلالی انداز میں فرمایا کہ اگر موسیٰ کے غلاموں کا وقت کے جابر بادشاہ کو یہ جواب تھا تو اج محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بھی یہی جواب ہے یہی جواب ہے اور یہی جواب ہے۔ حضور کے خطاب سے پہلے حضور کی عظیم الشان جلالی نظم منیر احمد جاوید صاحب نے پڑھی۔ تمام احمدی اس نظم سے واقف ہیں:

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو آفت ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا رُخ پلٹ جائے گا رُت بدل جائے گی

اس نظم میں جنرل ضیاء کو واضح تنبیہ کی گئی تھی اور اس کے عبرتناک انجام سے خبردار کیا گیا تھا۔

اپریل 1984 کے شروع میں ایسی خبریں گردش کرنے لگیں کہ جیسے عنقریب جماعت کے خلاف کوئی کاروائی ہونے والی ہے چنانچہ خطرے کو بھانپتے ہُوئے حضور اسلام اباد تشریف لے گئے تاکہ مصدقہ معلومات حاصل کی جائیں۔ 25 اپریل کو بعض بہت اہم زرائع نے حضرت مرزا طاہر احمد کو اطلاع دی کہ اپ کے خلاف بہت خطرناک منصوبہ تیار ہو چکا ہے اس لئے جلد از جلد اسلام اباد چھوڑ دیں۔ چنانچہ حضور فوری طور پر ربوہ واپس تشریف لے ائے۔ اگلے روز جماعت احمدیہ کے خلاف سخت ترین آرڈیننس جاری ہو گیا۔ اس ارڈیننس کے مطابق کوئی احمدی اپنے اپ کو کسی بھی رنگ میں مسلمان ظاہر نہیں کرسکتا۔ اسلامی اصطلاحات استعمال نہیں کرسکتا اور اس کی خلاف ورزی پر قید و بند اور جرمانے کی سزاوں کا بھی اعلان کیا گیا۔

خطرناک کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ربوہ کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا اواپریشن بلیوسٹار کی طرز کا اپریشن کرنے کی تیاری کی جارہی تھی۔ حضرت مرزا طاہر احمد کی گرفتاری کے خفیہ احکامات جاری کر دیئے گئے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ مرزا طاہر احمد کو اسلم قریشی کے اغوا اور قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا جائے ربوہ میں کرفیو نافذ کر کے احمدیوں کو گھروں میں بند کر دیا جائے اور اگر احمدی مزاحمت کے لئے نکلیں تو انہیں گولیوں سے اڑا دیا جائے۔ نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہونے دیا جائے اور جماعت کو مکمل طور پر قیادت سے محروم کر دیا جائے۔ ایسے حالات میں جماعت کے سرکردہ افرد نے حضور کو پاکستان سے ہجرت کا مشورہ دیا چنانچہ حضرت مرزا طاہر احمد پاکستان سے ہجرت کر کے 29 اپریل کو بحفاظت لندن پہنچ گئے۔ الحمد للہ

جنرل ضیاء اپنے شکار کے یوں ہاتھ سے نکل جانے کو برداشت نہ کرسکا اور احمدیوں پر جبر و تشدد اور ظلم و بربریت کا بازار گرم کردیا۔ ہزاروں احمدیوں کو جیلوں میں بند کر دیا اور درجنوں احمدی شہادت کا رُتبہ حاصل کر کے سُرخرو ہُوئے۔ وقت کا فرعون اپنی طاقت کے نشے میں چور بے گناہ احمدیوں سے اُن کے تمام حقوق سلب کرنے کے کی کوششوں میں لگ گیا اور دوسری طرف الٰہی تقدیر اسے رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بنانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ حضرت مرزا طاہر احمد نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ضیاء کو متنبہ کیا کہ وہ احمدیوں پر ظلم بند کردے ورنہ الٰہی تقدیر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کردے گی۔ ضیاء بجائے ظلم بند کرنے کے اور اگے بڑھتا چلا گیا اور اخر کار 10 مئی 1988 کو حضرت مرزا طاہر احمد نے خُدا کے حضور دعا کے بعد دنیا بھر کے مکفرین دمکوبین

PDF Compressor Free Version

اور اُن سب کے سر پرست اعلیٰ جابر حکمران کو مباہلے کا چیلنج دیا۔ اور فرمایا کہ جنرل ضیاء زبان سے مباہلہ قبول کرے یا نہ کرے لیکن احمدیوں پر ظلم وستم بند نہ کرے تو یہ بھی مباہلہ قبول کرنے کے مترادف ہو گا۔ مباہلے کے اس چیلنج کے ٹھیک ایک ماہ بعد خدا تعالیٰ نے مولویوں کے جنرل ضیاء کے ساتھ مل کر بنائے گئے ناپاک منصوبے کو ظاہر فرما دیا اور جس شخص اسلم قریشی کے اغوا اور قتل کے نام پر یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا وہ خود منظر عام پر آ گیا اور اُس نے اعتراف کیا کہ کہ اُسے کسی نے اغوا نہیں کیا تھا بلکہ اپنے معاشی حالات سے تنگ آ کر وہ ملک چھوڑ گیا تھا اور اب واپس آ گیا ہے۔ یہ مباہلے کا پہلا بڑا نشان تھا۔ اب مولوی منظور چنیوٹی کی اخلاقی ذمہ داری تھی کہ اپنے اعلان کے مطابق اپنے آپ کو چنیوٹ کے تحصیل چوک میں پھانسی کے لئے پیش کرتا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو مولوی کیسے کہلاتا کیونکہ جھوٹ، منافقت، بے غیرتی لالچ، ہوس، منافرت انگیزی اور ہٹ دھرمی مولوی کے خون میں شامل ہے۔ 12 اگست کے خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ اب خدا کی گرفت قریب ہے اور چکی چل پڑی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ضیاء کو اپنے بد انجام سے نہیں بچا سکتی۔ 17 اگست کو جنرل ضیاء اپنے ساتھی جرنیلوں اور امریکی سفیر رافیل کے ساتھ بہاولپور میں نئے ملٹری سامان کی نمائش دیکھنے کے لئے آرمی کے سب سے محفوظ طیارے C 130 میں روانہ ہُوا۔ واپسی پر جہاز اپنی اُڑان کے صرف پانچ منٹ کے بعد دھماکے سے پھٹ کر قلا بازیاں کھاتا ہُوا مُنہ کے بل زمین سے آ ٹکرایا اور اس میں خوفناک آگ بھڑک اُٹھی اور پاکستان کا مطلق العنان حکمران وقت کا فرعون اور نمرود اپنے ساتھیوں سمیت جل کر راکھ ہو گیا اور اُسکی لاش بھی سلامت نہ رہی۔ پاکستان بھر میں سناٹا چھا گیا جب یہ خبر ملی کہ جنرل ضیا اپنے 32 ساتھوں اور امریکن سفیر رافیل کے ساتھ بہاولپور میں ایک فضائی حادثے میں جل کر راکھ ہو گیا ہے۔

تُم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سر کبر نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی

حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے والے فرعون نے آخری وقت پر توبہ کر کے اپنی لاش بچا لی مگر مسیح محمدی کا مقابلہ کرنے والا یہ فرعون ایسا بد بخت تھا کہ اسے توبہ کی توفیق بھی نہ ملی اور

خُدا اُڑا دے گا خاک اُن کی کرے گا رُسوائے عام کہنا

کا مصداق بن کر ہمیشہ کی زلت کا طوق گلے میں ڈال کر واصل جہنم ہُوا فاعتبرو یا اولی الابصار۔

جنرل ضیاء پاکستان پر ایک لعنت بن کر مسلط ہُوا اور اپنے اقتدار کے لئے مزہب کو استعمال کرتا رہا۔ اج پاکستان جس دہشت گردی اور فرقہ واریت کا شکار ہے اس کی تمام تر ذمہ داری اس منحوس شخص پر عائد ہوتی ہے۔ خُدا تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو اس کے بد اثرات سے بچائے۔ امین

(یہ آرٹیکل احمدی احباب کی معلومات کے لئے لکھا گیا ہے)

PDF Compressor Free Version

اصلی ٹھگز آف ہندوستان، کون تھے، تاریخ کیا کہتی ہے؟

حال ہی میں ریلیز ہونے والی بالی وڈ کی فلم 'ٹھگز آف ہندوستان' کو جہاں فلمی ناقدین نے پسند نہیں کیا وہیں باکس آفس پر اس فلم نے ریکارڈ کامیابی حاصل کی ہے۔ بی بی سی ہندی کے ڈیجیٹل ایڈیٹر راجیش پریادرشی نے اس مضمون میں یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کے اصل ٹھگ کون تھے۔

ٹھگ لفظ سنتے ہی لوگوں کے دماغ میں ایک چالاک اور مکار آدمی کی تصویر ابھرتی ہے جو جھانسا دے کر کچھ قیمتی سامان ٹھگ لیتا ہے لیکن انڈیا میں 19ویں صدی میں جن ٹھگوں سے انگریزوں کا پالا پڑا تھا، وہ اتنے معمولی لوگ نہیں تھے۔

ٹھگوں کے بارے میں سب سے دلچسپ معلومات 1839 میں شائع ہونے والی کتاب 'کنفیشنز آف اے ٹھگ' سے ملتی ہیں۔ کتاب کے مصنف پولیس سپرینٹنڈنٹ فلپ میڈوز ٹیلر تھے لیکن کتاب میں انھوں نے بتایا ہے کہ انھوں نے 'اسے صرف قلم بند کیا ہے۔'

دراصل، ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ٹھگوں کے ایک سردار امیر علی خان کا 'کنفیشن' یعنی اعترافی بیان ہے۔

فلپ میڈوز ٹیلر نے امیر علی خان سے جیل میں کئی دنوں تک بات کی اور سب کچھ لکھتے گئے۔ ٹیلر کے مطابق 'ٹھگوں کے سردار نے جو کچھ بتایا، اسے میں تقریباً لفظ بہ لفظ لکھتا گیا، یہاں تک کہ اسے ٹوکنے یا پوچھنے کی ضرورت بھی کم ہی پڑتی تھی۔'

امیر علی خان کا بیان اتنا تفصیلی اور دلچسپ ہے کہ وہ ایک ناول بن گیا اور چھپتے ہی اس نے دھوم مچا دی۔ رڈیارڈ کپلنگ کے مشہور ناول 'کم' (اشاعت: 1901) سے تقریباً 60 سال پہلے شائع ہونے والی اس کتاب کی ایک اور خاصیت تھی کہ یہ کسی انگریز کا نظریہ نہیں لیکن ایک ہندوستانی ٹھگ کا 'فرسٹ پرسن اکاؤنٹ' یعنی اس کی اپنی کہانی ہے جو اس نے خود سنائی۔

ٹیلر کا کہنا ہے کہ امیر علی خان جیسے سینکڑوں سردار تھے جن کی سرپرستی میں ٹھگی کا دھندا چل رہا تھا۔ امیر علی خان سے جب ٹیلر نے پوچھا کہ تم نے کتنے لوگوں کو مارا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ 'صاحب، وہ تو میں پکڑا گیا، نہیں تو ہزار پار کر لیتا۔ آپ لوگوں نے 719 پر ہی روک دیا۔'

ٹھگی کا عالم تھا کہ انگریزوں کو ان سے نمٹنے کے لیے ایک الگ محکمہ بنانا پڑا تھا، وہی محکمہ بعد میں انٹیلی جنس بیورو یا آئی بی کے نام سے جانا گیا۔

ٹیلر نے لکھا تھا کہ 'اودھ سے لے کر دکن تک ٹھگوں کا جال پھیلا ہوا تھا، انھیں پکڑنا بہت مشکل تھا کیونکہ وہ بہت خفیہ طریقے سے کام کرتے تھے۔ انھیں عام لوگوں سے الگ کرنے کا کوئی طریقہ ہی سمجھ نہیں آتا تھا۔ وہ اپنا کام منصوبہ بندی اور بے حد چالاکی سے کرتے تھے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔'

ٹھگوں سے نمٹنے کے لیے بنائے گئے ڈپارٹمنٹ کے سپرینٹنڈنٹ کیپٹن رینولڈز نے 1831 سے 1837 کے درمیان ٹھگوں کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کا 1838 میں تفصیلات بیان کی تھیں۔

اس بیورو کے مطابق پکڑے گئے جن 1059 لوگوں کا جرم پوری طرح ثابت نہیں ہو سکا تھا انھیں دور ملائشیا کے پاس پینانگ جزیرے پر لے جا کر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ دوبارہ واردات نہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ 412 کو پھانسی دی گئی اور 87 کو عمر قید کی سزا ہوئی۔

ٹھگوں کی پراسرار زندگی

ٹھگوں کے لیے انگریزوں نے 'سیکرٹ کلٹ'، 'ہائی وے روبرز' اور 'ماس مرڈررز' جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ 'کلٹ' کہلائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے رسم و رواج، اقدار، روایات، اصول اور طور طریقے تھے جن کا وہ بہت پابندی سے مذہب کی طرح احترام کرتے تھے۔ ان کی اپنی ایک الگ خفیہ زبان تھی جس میں وہ آپس میں بات کرتے تھے۔ اس زبان کو رماسی کہا جاتا تھا۔

انڈیا میں ٹھگوں کی کمر توڑنے کا سہرا میجر جنرل ولیم ہینری سلیمن کو دیا جاتا ہے جنھیں انگریز حکومت نے 'سر' کے خطاب سے نوازا تھا۔

PDF Compressor Free Version

سلیمن نے لکھا ہے کہ 'ٹھگوں کے گروہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔ ٹھگی کی شروعات کیسے ہوئی یہ بتانا ناممکن ہے، لیکن اونچے رہنے والے شیخ سے لے کر خانہ بدوش مسلمان اور ہر ذات کے ہندو اس میں شامل تھے۔'

مہورت سے ہوتا تھا ہر کام

چاہے ہندو ہوں یا مسلمان، ٹھگ شبھ مہورت دیکھ کر، پوجا پاٹھ کر کے اپنے کام پر نکلتے تھے، جسے 'جتائی پر جانا' کہا جاتا تھا۔ ٹھگی کا موسم عام طور پر درگا پوجا سے لے کر ہولی کے درمیان ہوتا تھا۔

تیز گرمی اور بارش میں رستوں پر مسافر بھی کم ملتے تھے اور کام کرنا مشکل ہوتا تھا۔ الگ الگ گروہ اپنے عقیدے کے حساب سے مندروں میں درشن کرنے جاتے تھے۔

زیادہ تر ٹھگ گروہ کالی ماتا کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہر اگلے قدم سے پہلے شگن اور اپشگن کا دچار کرتے تھے۔ الو کے بولنے، کوے کے اڑنے، مور کے چلانے، لومڑی کے دکھائی دینے جیسی ہر چیز کا وہ اپنے حساب سے مطلب نکالتے تھے۔

جتائی پر جانے سے سات دن پہلے سے ساتا، شروع جاتا تھا۔ اس دوران ٹھگ ان کے خاندان کے ارکان کھانے پینے، سونے اٹھنے اور نہانے حجامت بنانے وغیرہ کے معاملے میں کڑے اصولوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔

ساتا کے دوران باہر کے لوگوں سے میل جول، کسی اور کو بلانا یا اس کے گھر جانا نہیں ہوتا تھا۔ اس دوران کوئی دان نہیں دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ کتے بلی جیسے جانوروں کو بھی کھانا نہیں دیا جاتا تھا۔ جتائی سے فارغ ہو کر لوٹنے کے بعد پوجا اور خیرات جیسے کام ہوتے تھے۔

اسی طرح 'اب' کے اصولوں کا احترام ہوتا تھا۔ ٹھگوں کا اس بات پر یقین تھا کہ کام پر نکلنے سے پہلے پوری طرح تیار ہونا بہت ضروری ہوتا تھا۔ گروہ کے کسی ٹھگ کے گھر میں کوئی پیدائش یا موت ہونے پر دس دنوں کے لیے، پالتو جانوروں کی موت ہونے پر تین دن کے لیے، اور اسی طرح جنم ہونے پر سات دن کے لیے یا تو پورا گروہ رک جاتا تھا یا وہ ٹھگ کام پر نہیں جاتا تھا، جس کے خاندان میں جنم یا موت ہوئی ہو۔

'کسی' کی اہمیت

مارے جانے والے لوگوں کی قبر جس کدال سے کھودی جاتی تھی، اسے 'کسی' کہا جاتا تھا۔ کسی سب سے زیادہ اہمیت کی چیز تھی۔

تحقیق کے بعد اردو اور ہندی میں لکھے گئے ناول 'کئی چاند تھے سرِ آسماں' میں شمس الرحمان فاروقی نے کسی کی پوجا کا طریقہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

'ایک صاف ستھری جگہ پر تھالی میں پانی سے کدالی کو دھویا جاتا ہے۔ پھر پوجا کا طریقہ کار جاننے والا ٹھگ بیچ میں بیٹھتا ہے، باقی ٹھگ نہا دھو کر اس کے چاروں طرف بیٹھتے ہیں، کدالی کو پہلے گڑ کے شربت، پھر دہی کے شربت اور آخر میں شراب سے نہلایا جاتا ہے۔ پھر تل، اور پھول سے اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ کدالی کی نوک پر سندور سے سات ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ اس کدالی سے ایک ناریل پھوڑا جاتا ہے۔ ناریل پھوٹنے پر سبھی ٹھگ، چاہے ہندو ہوں یا مسلمان جے دیوی مائی کی بولتے ہیں۔'

ٹھگوں کے درمیان ایسی کہانیاں مشہور تھیں کہ ان پر کدال دیوی کا مہربانی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور خاص بات یہ تھی کہ ٹھگوں کا یقین تھا کہ اگر وہ اصولوں کا احترام کرتے ہوئے اپنا کام کریں گے تو دیوی ماں کی ان پر مہربانی رہے گی۔

پہلا اصول یہ تھا کہ قتل میں ایک بوند بھی خون نہیں بہنا چاہیے، دوسرا کسی خاتون یا بچے کو کسی حال میں نہیں مارا جانا چاہیے، تیسرا جب تک مال ملنے کی امید نہ ہو، قتل بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

ٹیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امیر علی خان کو اپنے کیے پر ذرا بھی پچھتاوا نہیں تھا۔ سبھی ٹھگوں کے بارے میں بھی میجر جنرل سلیمن نے لکھا ہے کہ 'وہ مانتے ہی نہیں تھے کہ وہ کچھ غلط کر رہے ہیں، جن کی نظر میں یہ مختلف پیشوں کی طرح کا ایک پیشہ تھا اور ان کے من میں ذرا بھی پچھتاوا یا دکھ نہیں تھا کہ کس طرح معصوم لوگوں کو مار کر وہ غائب کر دیتے ہیں۔'

کیسے ہوتی تھی راستوں پر ٹھگی؟

جتائی پر نکلنے والے ٹھگوں کا گروہ 20 سے 50 تک کا ہوتا تھا۔ وہ عام طور پر تین دستوں میں چلتے تھے، ایک پیچھے، ایک درمیان میں اور ایک آگے۔ ان تینوں دستوں کے درمیان تال میل کے لیے ہر ٹولی میں ایک دو لوگ تھے جو ایک کڑی کا کام کرتے تھے۔ وہ اپنی چال تیز یا دھیمی کر کے آگے ہوتے یا ساتھ آ سکتے تھے۔

زیادہ تر ٹھگ، کئی زبانیں، گانا بجانا، بھجن کیرتن، نعت، قوالی اور ہندو مسلمان دونوں مذاہب کے طور طریقے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ ضرورت کے مطابق یاتری، باراتی، مزار کے زائرین یا نقلی جنازہ نکالنے والے بن جاتے تھے۔

PDF Compressor Free Version

ایک راستے میں وہ کئی بار اپنا روپ بدل لیتے تھے۔ ظاہر ہے، وہ بھیس بدلنے میں بھی خاصے ماہر تھے۔ وہ بہت اطمینان سے کام کرتے تھے، اپنے شکار کو ذرا بھی بھنک نہیں لگنے دیتے تھے۔ کئی بار تو لوگ ٹھگوں کے ڈر سے ہی اصلی ٹھگوں کو شریف سمجھ کر ان کی گرفت میں آجاتے تھے۔

ٹھگوں کے سردار عام طور پر پڑھے لکھے عزت دار آدمی کی طرح دکھائی دینے والے لوگ ہوتے تھے اور باقی اس کے طرح طرح کے کارندے۔

فلپ میڈوز ٹیلر کی کتاب 'کنفیشنز آف اے ٹھگ' میں امیر علی خان نے تفصیل سے بتایا ہے کہ کیسے وہ بڑے سیٹھوں اور مالدار لوگوں سے ضرورت کے حساب سے کبھی کسی نواب کے سپاہ سالار کی طرح ملتا تھا، کبھی مولوی کی طرح تو کبھی یاتری کا روپ دھار کر پنڈت کی طرح۔

امیر علی خان نے بتایا کہ ٹھگوں کے کام بٹے ہوئے تھے۔ 'سوٹھا' گروہ کے سب سے سمجھدار رکن، لوگوں کو باتوں میں پھنسانے والے لوگ تھے جو شکار کی تاک میں سرائے کے آس پاس منڈلاتے تھے۔ وہ آنے جانے والوں کی ٹوہ لیتے تھے، پھر ان کے مال اسباب اور حیثیت کا اندازہ لگا کر اسے اپنے چنگل میں پھنساتے تھے۔ امیر علی خان کے گروہ کا سوٹھا گوپال تھا جو بہت ہوشیاری سے اپنا کام کرتا تھا۔'

شکار کی پہچان کرنے کے بعد کچھ لوگ اس کے پیچھے، کچھ آگے اور کچھ سب سے آگے چلتے۔ راستے بھر دھیرے دھیرے کر کے ٹھگوں کی تعداد بڑھتی جاتی لیکن وہ ایسا ظاہر کرتے جیسے ایک دوسرے کو بالکل بھی نہیں جانتے۔ اپنے ہی لوگوں کو جتھے میں شامل ہونے سے روکنے کا ناٹک کرتے تھے تاکہ شک نہ ہو۔ یہ بہت صبر کا کام تھا، ہڑبڑاہٹ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

امیر علی خان نے ٹیلر کو بتایا تھا کہ کئی بار تو ہفتہ دس دن تک صحیح موقعے کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اگر کسی گڑبڑ کا اندیشہ ہو تو واردات ٹال دی جاتی تھی۔

کمال کا اتفاق

سب سے آگے چلنے والے دستے میں 'بول' یعنی قبر تیار کرنے والے لوگ ہوتے تھے۔ انھیں درمیان والے دستے میں سے کڑی کا کام کرنے والا بتا دیتا تھا کہ کتنے لوگوں کے لیے قبر بنانی ہے۔ پیچھے والا دستہ نظر رکھتا تھا کہ کوئی خطرہ ان کی طرف تو نہیں آرہا۔ آخر میں تینوں بہت پاس پاس آجاتے لیکن اس کی خبر شکار کو نہیں ہوتی تھی۔

کئی دن گزر جانے کے بعد جب شکار چوکنا نہیں ہوتا تھا اور جگہ معقول ہوتی تھی تب گروہ کو کارروائی شروع کرنے کے لیے پہلے سے طے شدہ اک اشارہ دیا جاتا تھا جو ایک فرضی نام ہوتا تھا۔ امیر علی خان نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس کے لیے سرمست خاں، لدن خاں، سربلند خاں، ہری رام یا بجے گوپال جیسے ناموں کا استعمال ہوتا تھا۔

یہ پہلا اشارہ تھا کہ اب کارروائی ہونے والی ہے۔ اس کے بعد ٹھگوں میں سب سے عزت دار لوگوں کی باری آتی تھی جنھیں بھتوٹ یا بھتوتی کہا جاتا تھا۔

ان کا کام بنا خون بہائے رومال میں سکہ باندھ کر بنائی گئی گانٹھ سے شکار کا گلا گھونٹنا ہوتا تھا۔ ہر ایک شکار کے پیچھے ایک بھتوٹ ہوتا تھا، پورا کام ایک ساتھ دو تین منٹ میں ہوتا تھا۔ اس کے لیے مستعد ٹھگ اپنے سرغنہ کی جھرنی کا انتظار کرتے تھے۔

جھرنی کیا تھی؟

جھرنی آخری اشارہ ہوتا تھا کہ اپنے آگے کھڑے یا بیٹھے شکار کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا جائے۔ امیر علی خان نے ایک جھٹکے میں 12 سے 15 تندرست مردوں کا کام تمام کرنے کا عمل بے حد آسانی سے کیا ہے۔

اس نے ٹیلر کو بتایا کہ اشارہ یا جھرنی عام طور پر تمبا کو کھا لو، حقہ پلاؤ یا گانا سناؤ جیسا چھوٹا واقعہ ہوتا تھا۔ پھر پلک جھپکتے ہی بھتوٹ شکار کے گلے میں پھندا ڈال دیتے تھے اور دو تین منٹ میں آدمی تڑپ کر ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد لاشوں سے قیمتی سامان ہٹا کر انھیں پہلے سے کھودی ہوئی قبروں میں ایک کے سر کی طرف دوسرے کا پیر والی ترکیب سے ڈال دیا جاتا تھا کہ کم سے کم جگہ میں زیادہ لاشیں آسکیں۔

اس کے بعد جگہ کو ہموار کر کے اس کے اوپر کانٹے دار جھاڑیاں جو پہلے سے تیار رکھی ہوتی تھیں، لگا دی جاتی تھیں تاکہ جنگلی جانور قبر کو کھودنے کی کوشش نہ کریں۔ اس طرح پورا قافلہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا تھا اور ٹھگ بھی۔

ٹھگ ایک الگ طرح کی مخلوق تھی

امیر علی خان نے اپنے بیان میں بتایا کہ آج کے اتر پردیش کے ضلع جالون میں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔ زیادہ تر لوگ اسے مسلمان زمیندار یا سوداگر سمجھتے تھے۔ سال کے سات آٹھ مہینے وہ گھر پر ایک عزت دار مسلمان کی طرح رہتا اور صحیح وقت پر پوجا کرنے چار مہینے کے لیے 'جتائی' پر نکل جاتا تھا۔

بہت کم لوگ جانتے تھے کہ کون ٹھگ ہے، لیکن ایک پورا نیٹ ورک تھا۔ امیر علی خان کے مطابق کئی چھوٹے بڑے زمیندار اور نواب ٹھگوں سے نذرانہ وصول کرتے تھے اور مصیبت کے وقت انھیں پناہ بھی دیتے تھے لیکن انگریزوں کو اس

PDF Compressor Free Version

کی بھنک نہیں لگنے دیتے تھے۔

اسی طرح، کئی زمینداروں نے ٹھگوں کو اپنی غیر زرعی زمین استعمال کرنے کی چھوٹ دے رکھی تھی جن میں وہ اجتماعی قبریں کھودتے تھے۔ اس کے بدلے میں انھیں ٹھگوں سے حصہ ملتا تھا۔

اسی طرح ہر جگہ ٹھگوں کے مخبر اور ان کے مددگار موجود تھے۔ مدد کرنے والے ان لوگوں کو تو کئی بار پتا بھی نہیں ہوتا تھا کہ کس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

کون ٹھگ تھا اور کون نہیں، انگریز اس پہیلی سے لگاتار نبرد آزما رہے تھے۔ فلپ میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب کے آغاز میں 1825-26 کا ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میری تعیناتی ہنگولی میں تھی وہاں ہری سنگھ نام کا ایک بیوپاری تھا۔ ہم اس سے لین دین کرتے تھے۔ ایک دن اس نے ممبئی سے کچھ کپڑا لانے کا پرمٹ مانگا، جو اسے دے دیا گیا۔ وہ کپڑا لے آیا اور اس نے ملٹری کینٹونمنٹ میں کپڑا بیچا۔ دراصل، وہ کپڑا کسی اور بیوپاری کا تھا۔ ہری سنگھ نے اسے اور اس کے کارندوں کو مار کر کپڑا لوٹ لیا تھا۔ ہری سنگھ دراصل ٹھگ تھا۔

انگریزوں کو ہری سنگھ کے ٹھگ ہونے کا پتا کئی سال بعد چلا جب اس نے پکڑے جانے کے بعد انگریزوں کا مذاق اڑایا اور بتایا کہ کیسے کپڑے کا پرمٹ لے کر اس نے گورے صاحب کو اُلّو بنایا تھا۔

1835 کے بعد کے سالوں میں جب ٹھگ پکڑے جانے لگے اور ان کے پول کھلنے لگے تو پتا چلا کہ ٹھگی کتنے بڑے پیمانے پر جاری تھی۔ فلپ میڈوز ٹیلر نے لکھا ہے کہ میں مندسور میں سپریٹنڈنٹ تھا۔ جب ہم نے وعدہ معاف سرکاری گواہ بنے ایک ٹھگ کی نشاندہی پر زمین کھودنا شروع کی تو اتنی اجتماعی قبریں ملیں کہ ہم نے پریشان ہو کر کھدائی کرنا ہی بند کر دی۔

ٹھگوں پر بھاری افریقی غلام

شمس الرحمان فاروقی کے ناول 'کئی چاند تھے سر آسماں' میں 1843-44 میں رامپور کے نواب کے خاص درباری مرزا تراب علی کے ٹھگوں کے ہاتھوں مارے جانے کا قصہ ملتا ہے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ ریاست بہار کے شہر سونپور میں میلے سے ہاتھی گھوڑے خریدنے کے لیے جانے والے نواب کے سپہ سالار اور ان کے چھ ساتھیوں کو ٹھگوں نے مار ڈالا۔

مرزا تراب علی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بارے میں جو تفصیل ملی، اس کے مطابق ٹھگوں نے ایک مسلمان راہگیر کی نماز جنازہ پڑھانے کے بہانے اسلحے سے لیس تراب علی اور ان کے ساتھیوں کو گھوڑوں سے نیچے اتارا تھا۔ جب وہ نماز پڑھ رہے تھے، تبھی تمبا کو کھلاؤ کی آواز آئی اور سات لوگ رومال سے گلا گھونٹ کر مار ڈالے گئے۔

جب تراب علی رامپور لوٹ کر نہیں آئے تو نواب کو شک ہوا کہ کہیں ٹھگوں کے شکار تو نہیں بن گئے۔ انھوں نے افریقہ سے غلام بنا کر گجرات کے ساحل پر لائے گئے افریقیوں کی کہانیاں سن رکھی تھیں، جنھیں شیدی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اس کام کے لیے شیدی اکرام اور شیدی نسیم کی مدد لی۔

شیدیوں کے بارے میں فاروقی لکھتے ہیں کہ انھیں: 'نسل کے لحاظ سے شیدی اور کام کے لحاظ سے کھوجیا کہا جاتا تھا۔ ان کے ہنر کی بات دور دور تک پھیل چکی تھی۔ انھیں گجرات سے اودھ تک بلایا جانے لگا تھا۔ قدموں کے نشان، لاپتہ لوگوں کا پتا لگانا اور مفرور لوگوں کے سراغ ڈھونڈنے میں وہ ماہر تھے۔ آپس میں وہ سواہلی میں جبکہ دوسرے لوگوں سے ہندی میں بات کرتے تھے۔'

رامپور کے نواب نے اپنے وفادار مرزا تراب علی اور ان کے ساتھیوں کا پتا لگانے کے لیے شیدیوں کو بھیجا۔ شیدی سارے راستے ہر چیز کی باریک پڑتال کرتے چلتے رہے۔ شمس الرحمان فاروقی لکھتے ہیں کہ 'وہ ایک بڑے چکور میدان میں پہنچے جہاں انھوں نے لکڑی سے لکیریں کھینچ کر بڑے بڑے چوکور خانے بنائے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایک کر کے ان خانوں کو سونگھنا اور ان کی مٹی کو کریدنا شروع کیا۔ وہ کسی کھوجی کتے سے بھی زیادہ توجہ سے اپنا کام کر رہے تھے۔'

انھوں نے ایک جگہ پہنچ کر آواز لگائی 'جمعدار جی، وہ مارا، یہاں کھدائی کرواؤ۔' جب وہاں کھدائی کی گئی تو مرزا تراب علی سمیت نواب کے سبھی کارندوں کی لاشیں مل گئی۔

شیدی آج بھی گجرات ریاست کے کچھ علاقوں میں بسے ہوئے ہیں لیکن ٹھگوں کا صفایا ہو چکا ہے۔

ٹھگ امیر علی خان کے بارے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسے اس ٹھگ نے بہت پیار سے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا، جس نے اس کے باپ کو ایک واردات کے دوران مار ڈالا تھا۔ عامر کو گود لینے والے ٹھگ باپ سے ٹھگی کا سبق ملا تھا، اسی وجہ سے ٹھگی کو وہ ایک نیک کام سمجھتا تھا۔ (بشکریہ بی بی سی نیوز)

PDF Compressor Free Version

الگورتھم ریاضی میں کہاں سے آیا اور کس کو کہا جائے اس کا موجد؟

سرسری طور پر دیکھنے یا سننے سے لگتا ہے کہ لفظ الگورتھم کوئی جدید اصطلاح ہے لیکن اصل میں یہ لفظ لگ بھگ 900 سال پرانا ہے۔ یہ لفظ فارسی ریاضی دان محمد ابن موسیٰ الخوارزمی کے نام سے نکلا ہے۔

الخوارزمی 780 میں ازبکستان میں پیدا ہوئے تھے اور ان کے نام سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کا تعلق خوارزم سے تھا۔ وہ ہاؤس آف وزڈم یا بیت الحکمہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ یہ 9 ویں صدی میں بغداد میں دانشوروں کا مسکن ہوا کرتا تھا۔ انھوں نے ریاضی، علم فلکیات، جغرافیہ اور کارٹوگرافی یا نقشہ نگاری کی ترقی میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے کئی مشہور کتابیں لکھیں جیسا کہ 'کنسرننگ دی ہندو آرٹ آف ریکننگ' یا 'کتاب الحساب الہندی'۔

300 سال بعد یہ کتاب دوبارہ ڈھونڈی گئی اور اس کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب نے مغرب کو ہندو عربی اعداد سے روشناس کرایا اور بالآخر اس نے ناقابل برداشت رومن اعداد کو تبدیل کر دیا۔

اعشاریہ اور ہندو عربی نمبروں کے نظام کو خوارزمی نے اپنی کتاب میں دنیا میں آج کل استعمال کیے جانے والے نمبروں کی بنیاد بتایا ہے۔ یہ نظام یہاں تک پیش گوئی کر سکتا ہے کہ ہم نے کیسے ووٹ دینا ہے اور کس طرح پیار میں مبتلا ہونا ہے۔

یہ چھوٹا سا لفظ جو قرونِ وسطیٰ کے فارس کے محلے میں ایجاد ہوا کس طرح آہستہ آہستہ ہماری زندگیاں بدل رہا ہے۔

الخوارزمی کا نام جب ان کی کتاب پر لاطینی میں لکھا گیا تو اسے الگورتھمی لکھا گیا۔ اور یہاں سے الگورتھم کا لفظ ریاضی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔

لفظ الجبرا کا ماخذ بھی الخوارزمی کی ایک کتاب 'الجبر' کا ٹائٹل ہے۔ اس کتاب میں الجبرے کے بنیادی اصول اور مسئلوں کو حل کرنے کے طریقے متعارف کرائے گئے تھے۔ ان کی کتابوں نے مغرب میں علم ریاضی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ کس طرح پیچیدہ مسئلوں کو سادہ حصوں میں توڑ کر ان مسئلوں کو حل کیا جا سکتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں الگورزمس کا مطلب اعشاریہ کے نمبروں کا نظام تھا۔ 13 ویں صدی تک وہ انگریزی زبان میں استعمال کیا جانے لگا اور اسے چوسر جیسے مصنفوں نے بھی استعمال کیا۔ لیکن 19 ویں صدی کے اواخر میں الگورتھم کو مسئلے کے حل کے لیے قدم بہ قدم اصولوں کا ایک جامع طریقہ بتایا جانے لگا۔

الخوارزمی

20 ویں صدی کے اوائل میں برطانوی سائنسدان اور کمپیوٹر کے ماہر ایلن ٹیورنگ نے تحقیق کی کہ کس طرح تھیوری کے مطابق کوئی مشین الگورتھم کی ہدایات پر عمل درآمد کرتی ہے اور پیچیدہ ریاضی کے مسئلوں کو حل کرتی ہے۔ یہ کمپیوٹر کے زمانے کا آغاز تھا دوسری جنگِ عظیم کے دوران انھوں نے ایک مشین ایجاد کی جس کا نام انھوں نے 'بومب' رکھا۔ یہ مشین الگورتھم کے استعمال سے 'انگما کوڈ' کھولنے کی کوشش کرتی تھی۔

آج کل الگورتھم کی اصطلاح زبان زد عام ہے اگرچہ کئی مرتبہ ہمیں یہ پوری طرح معلوم ہی نہیں ہوتا کہ الگورتھم کرتا کیا ہے۔ الگورتھم ہر جگہ ہیں جو ہمیں اے کے مقام سے بی تک جانے میں مدد دیتے ہیں، انٹرنیٹ کی سرچز اور ہمارے لیے چیزیں خریدنے، دیکھنے اور شیئر کرنے میں تجاویز دیتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے مسئلوں کو سادہ طریقے سے حل کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ الخوارزمی دنیا کے وہ بڑے ریاضی دان اور فلسفی ہیں جنھوں نے ہند، عرب اور مغرب کو ایک نگون کی طرح علم ریاضی میں ملا دیا۔

(بشکریہ بی بی سی نیوز)

الخوارزمی نے دریائے نیل منبع اور اس کے راستے کو جغرافیے کی ایک کتاب میں بتایا

PDF Compressor Free Version

2018 کا امن کا نوبیل مشترکہ طور پر دولتِ اسلامیہ کے ہاتھوں بربریت کا شکار ہونے والی یزیدی خاتون اور کانگو کے ڈاکٹر کے نام

2018 کا امن کا نوبیل انعام مشترکہ طور پر عراق کی ایک یزیدی خاتون نادیہ مراد کو ملا ہے جنھوں نے ریپ کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے۔

نادیہ کو دولتِ اسلامیہ کے شدت پسندوں نے ریپ کیا تھا اور ان کے چنگل سے نکلنے کے بعد انھوں نے یزیدی برادری پر ہونے والے ظلم کے خلاف عالمگیر مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ یہ انعام مشترکہ طور پر افریقی ملک کانگو کے گائنا کالوجسٹ ڈینس مکویگے کو دیا گیا ہے جنھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ہزاروں متاثرین کا علاج کیا ہے۔

اس سال 331 افراد اور اداروں کو اس انعام کے لیے نامزد کیا تھا جن میں سے نادیہ مراد اور ڈینس مکویگے کا انتخاب ہوا ہے۔

ناروے کے دارالحکومت اوسلو میں انعام کا اعلان کرتے ہوئے نوبیل کمیٹی کے سربراہ بیرٹ رائس اینڈرسن نے اپنے بیان میں کہا کہ یہ انعام جنسی تشدد کو بطور جنگی ہتھیار استعمال کرنے کے خلاف جدوجہد کے صلے میں دیا گیا ہے۔

رائس اینڈرسن نے کہا کہ دونوں انعام یافتگان نے ایسے جنگی جرائم پر توجہ مرکوز کروانے اور ان کا مقابلہ کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اس موقعے پر ملالہ یوسفزئی نے بھی نادیہ مراد کو مبارک باد دی ہے۔ ٹوئٹر پر اپنے پیغام میں ملالہ نے لکھا کہ ان کے کام نے زندگیاں بچائی ہیں اور عورتوں کو جنسی تشدد کے خلاف بولنے پر آمادہ کرنے میں مدد دی ہے۔

نادیہ مراد نومبر 2014 میں دولتِ اسلامیہ کی قید سے آزاد ہوئی تھیں اور اس کے بعد سے وہ انسانی سمگلنگ کے خلاف مہم چلا رہی ہیں۔

بی بی سی فارسی کی نامہ نگار نفیسہ کہن ورد نے نادیہ سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے ٹویٹ کر کے کہا:

'میں نادیہ مراد سے اسی دن ملی تھی جب وہ موصل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ میں نے انھیں کہا کہ میں ان کا انٹرویو اس طرح سے لے سکتی ہوں کہ ان کا چہرہ نظر نہ آئے، لیکن انھوں نے کہا، دنیا کو دیکھنے دو کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اب انھیں امن کا نوبیل انعام مل گیا ہے۔'

اس سے قبل فزکس کا انعام ڈونا سٹرکلینڈ کو ملا تھا۔ اس طرح وہ 55 سالوں میں فزکس کا نوبیل انعام لینے والی پہلی خاتون تھی۔

نادیہ مراد کون ہیں؟

نادیہ مراد کا تعلق عراق کی اقلیتی یزیدی برادری سے ہے۔ انھوں نے دولتِ اسلامیہ کے جنگجوؤں کی کنیز بن کر تین ماہ گزارے۔ اس دوران انھیں کئی بار خریدا اور بیچا گیا اور قید کے دوران جسمانی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

نومبر 2014 میں دولتِ اسلامیہ کی قید سے نجات پانے کے بعد انھوں نے ایک مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد ریپ کے بطور جنگی ہتھیار استعمال پر توجہ مبذول کروانا تھا۔

انھوں نے 2016 میں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے دولتِ اسلامیہ کی جانب سے یزیدی مذہب کی عورتوں سے روا رکھے جانے والے سلوک سے پردہ اٹھایا۔

انھیں نوبیل امن انعام سے قبل 2016 میں کونسل فار یورپ کی جانب سے واکلیو ہیومن رائٹس انعام دیا گیا تھا۔ انھوں نے اس موقعے پر مطالبہ کیا تھا کہ بین الاقوامی عدالتِ انصاف دولتِ اسلامیہ کے جرائم کی تفتیش کرے۔

اس کے بعد اسی سال انھیں انسانی سمگلنگ کے خلاف اقوامِ متحدہ کی پہلی خیرسگالی سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ انھوں نے ایک اور یزیدی خاتون لامیا اجی بشر کے ساتھ مشترکہ طور پر یورپ میں انسانی حقوق کا سب سے بڑا سخاروف ایوارڈ بھی حاصل کیا تھا۔

PDF Compressor Free Version

کنیزیں بنا کر جنگجوؤں میں تقسیم

نادیہ مراد 1993 میں شمالی عراق میں کوہ سنجار کے علاقے کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئی تھیں۔ 2014 میں دولتِ اسلامیہ کے جنگجو ان کے گاؤں پر چڑھ دوڑے۔ ان کی ماں اور چھ بھائیوں کو قتل کر دیا گیا، جب کہ گاؤں کی بہت سی غیر شادی شدہ لڑکیوں کو کنیزیں بنا کر جنگجوؤں میں تقسیم کر دیا گیا۔

انھوں نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اس دن پانچ ہزار یزیدی مرد قتل کر دیے گئے اور ساڑھے چھ ہزار عورتوں اور بچوں کو اغوا کر لیا گیا۔ انھوں نے آٹھ ماہ تک ہمیں اپنی ماؤں، بہنوں اور بھائیوں سے الگ رکھا، بعض کو قتل کر دیا گیا اور کچھ غائب ہو گئے۔

بالآخر ایک مسلمان خاندان نے ان کے لیے جعلی شناختی دستاویزات تیار کیں اور اس طرح وہ دولتِ اسلامیہ کے علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئیں۔

مالِ غنیمت

نادیہ نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ دولتِ اسلامیہ کے جنگجوؤں کے اصول کے مطابق پکڑی جانے والی عورت مالِ غنیمت ہوتی ہے اور اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کمرے میں بند کر کے ریپ کیا جاتا ہے، میرے ساتھ گینگ ریپ کیا گیا۔

انھوں نے بتایا کہ عسکریت پسند گروہ کی جانب سے انھیں متعدد بار خریدا اور بیچا گیا۔

نادیہ نے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک بار انھیں فرار ہونے کی کوشش کی پاداش میں گینگ ریپ کیا گیا۔ اپنے ساتھ سلوک کی وجہ انھوں نے یہ بتائی کہ دولتِ اسلامیہ کی نظر میں چونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں، اس لیے انھیں کنیز بنایا جا سکتا ہے۔

وہ لڑکیوں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ نابالغ لڑکیوں کو بھی بیچ دیتے تھے کیوں کہ ان کی نظر میں اس کی اجازت ہے۔ انھوں نے تمام یزیدیوں کو مشترکہ طور پر نشانہ بنایا۔

نادیہ مراد نے اپنی داستان آخری لڑکی: میں قید اور دولتِ اسلامیہ سے جنگ کی کہانیاں نامی کتاب میں بیان کی جو گذشتہ برس شائع ہوئی تھی۔

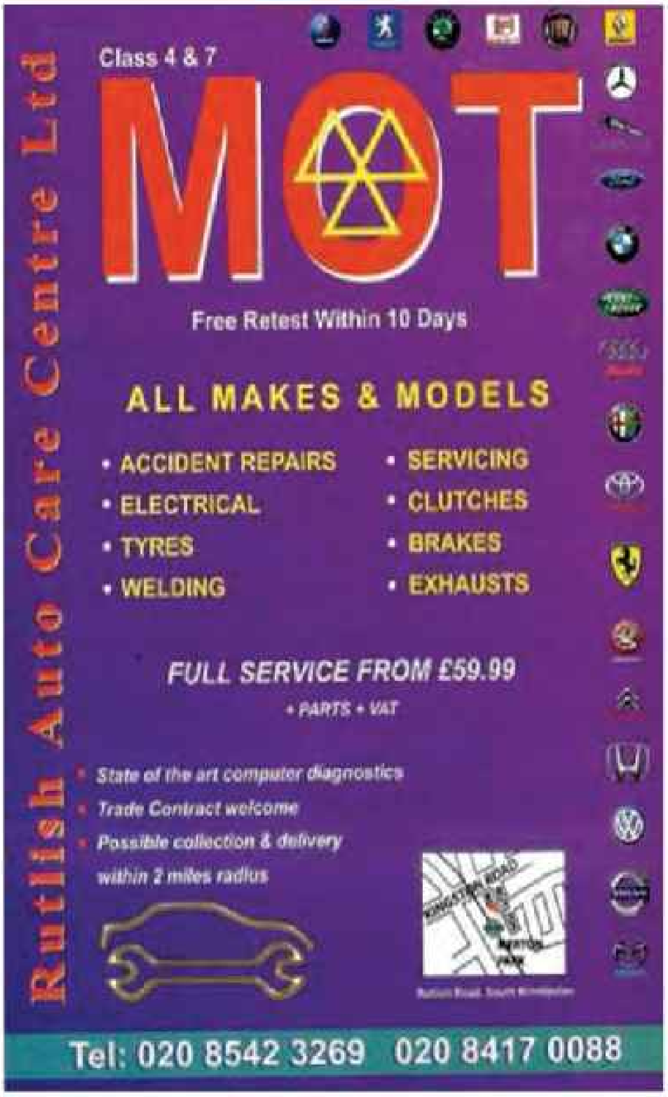

لاہور انٹرنیشنل بین الاقوامی ترجمان ہے۔
ملک کی سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی، معاشرتی اور ثقافتی صورتحال کا تجزیہ
تعلیم و تدریس و تربیت سے متعلق
اہم مضامین کا آئینہ دار ہے۔

PDF Compressor Free Version

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ریاست مشی گن میں ناروے

تحریر زرتشت منیر احمد

گزشتہ سے پیوستہ شمارے میں ہم نے امریکہ کی ریاست ورجینیا میں "نارگے" یعنی "ناروے" نام کے قصبہ کا ذکر کیا تھا اب ہمیں امریکہ کی ایک اور ریاست میں ایک قصبہ کا علم ہوا ہے جس کا نام نارگے نہیں بلکہ "ناروے" ہے۔

مشی گن اسٹیٹ امریکہ کی پچاس ریاستوں میں سے ایک ہے یہ امریکہ کی دسویں بڑی ریاست ہے مشی گن کے معنی "بڑے پانی" کے ہیں یہاں صاف پانی کی کثرت ہے 980,64 کی تعداد میں یہاں جھیلیں ہیں یہ ریاست دو جزیرہ ہائے نما پر مشتمل ہے یہاں ہزاروں سال سے قدیم امریکن قبائل آباد تھے سترھویں صدی میں فرانسیسوں نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنی کالونی بنالی 1762 میں فرانس اور قدیم انڈین میں جنگ ہوئی اور بلآخر یہ علاقہ برطانوی تسلط میں آ گیا اور بعد از اں امریکہ کی انقلابی جنگ میں یو ایس اے کا حصہ بن گیا۔

اس ریاست میں ایک کاؤنٹی ہے جس کا نام "ڈکنسن" ہے "ناروے" کا قصبہ اس کاؤنٹی کے جنوب مغرب میں واقع ہے یہاں قدیم زمانہ میں ایک قوم آباد تھی جو Vulcan کہلاتی تھی روم میں Vulcan کا لفظ آگ کے دیوتا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

متذکرہ بالا "ناروے" قصبہ کی آبادی تقریبا تین ہزار افراد پر مشتمل ہے یہاں زیادہ تر لوگ سیکنڈے نیوین ممالک سے آ کر آباد ہوئے ہیں اور یہ سفید فام ہیں اسی لئے اپنے وطن کی یاد کو تازہ رکھنے کی غرض سے اس قصبہ کا نام "ناروے" رکھا ہے۔ نارویجین لوگ جہاں بھی گئے انہوں نے اپنے وطن کی یاد کو تازہ رکھا اور ایسی بستیاں بسائیں اور ان کے نام اس طرح رکھے کہ وطن یاد رہے۔

بالکل اسی طرح جیسے ہمیں اپنے پیارے وطن پاکستان کی یاد آتی ہے اب جب ہم ناروے سے باہر جاتے ہیں تو ہمیں اپنے دوسرے وطن یعنی ناروے کی یاد بھی بے حد ستاتی ہے۔ اور کچھ عرصہ گزارنے کے بعد دل چاہتا ہے واپس گھر کو لوٹ چلیں۔

جب ہم ناروے کے باسیوں کے حالات پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح وطن سے دور رہ کر یہ لوگ جہاں جہاں گئے انہوں نے وہاں اپنے شہروں کے ناموں پر نو آباد بستیوں کے نام رکھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف ہمیں ہی اپنے وطن کی یاد بے چین کئے رکھتی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر انسان کی فطرت میں ہے کہ جس جگہ وہ رہتا ہے اس جگہ، اس شہر، اس ملک، اور اس دھرتی سے محبت کرتا ہے۔ اور ہجرت کی صورت میں بھی اس کی حسین یادیں اپنے من میں بسائے رکھتا ہے اور وطن کی جدائی کے باوجود اس کی یاد ساتھ رہتی ہے۔

اس قصبہ "ناروے" میں 1891. میں پوسٹ آفس کا قیام عمل میں لایا گیا اس کے قریب لوہے کی کانیں ہیں جہاں یہ لوگ کام کیا کرتے تھے یہاں کے جنگلات میں ناروے کی طرح سال بھر سبز رہنے والے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں جنہیں "ریڈ پائین" کہتے ہیں اس قسم کے درخت ریاست منی سوٹا میں بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

امید ہے کہ ریاست مشی گن کی سیر کے دوران آپ یہ قصبہ بھی دیکھ کر ناروے کی یاد تازہ کریں گے۔

PDF Compressor Free Version

اردو کو زندہ کرنے کے لئے ہمیں ہی کوشش کرنی ہے

پروفیسر ڈاکٹر عاصمہ راؤ کا خطاب

تحریر طاہر مجید

گذشتہ دنوں لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی لاہور سے پروفیسر ڈاکٹر عاصمہ راؤ نے مجھے فون پر بتایا کہ وہ صرف تین دن کے لئے جرمنی تشریف لا رہی ہیں۔ میں نے جب اپنی بیگم سیدہ تنیر طاہر سے ذکر کیا تو انہوں نے مجھے کہا عاصمہ کوئی عام سی پروفیسر نہیں ہے اس نے تو پبلک سروس کمیشن کی پچاس سالہ تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے کہ تین سال کے اندر گریڈ 17 سے گریڈ 19 میں پہنچ گئی۔ اس کو جرمنی میں مقیم ادیبوں سے ملواؤ۔ چنانچہ میں نے جرمنی کے معروف اور مستند ادیبوں کو دعوت دی کہ وہ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جرمنی میں اکثر اوقات مشاعرے تو منعقد ہوتے رہتے ہیں مگر نثر لکھنے والوں کا اجتماع منعقد نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ شام افسانہ منعقد ہوئی لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ ایک نئی روایت قائم کی جائے۔ ایک نثری نشست منعقد کی جائے چنانچہ میں نے نثر کی مختلف اصناف لکھنے والے ادیبوں اور صحافیوں کو مدعو کیا۔

تقریب کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے ہوا۔ جس کے بعد میں نے محترمہ ڈاکٹر عاصمہ راؤ کا تعارف کروایا۔ ڈاکٹر صاحبہ ایم اے (اردو) بی ایڈ، ایم فل (اردو)، پی ایچ ڈی (اردو) کے علاوہ HEC کی مصدقہ سپروائزر ہیں اور وہ آج کل ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلباء کو پڑھا رہی ہیں۔

1. ان کے تحقیقی کام:

a) "جدید اردو غزل میں نرگسیت کا نفسیاتی مطالعہ"

b) "اردو سوانح عمری میں خودستائی کے رویے کا نفسیاتی مطالعہ"

2. ان کی کتابیں:

a) خوشبو تری یادیں (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی یاد میں)

b) کلیات باقر (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی شاعری)

c) کلیات نثر باقر (باقر صاحب کے شاگردوں کے تاثرات)

d) مکالمات سلیم (ڈاکٹر سلیم اختر کے انٹرویوز کا مجموعہ)

e) جدید اردو غزل میں نرگسیت کا نفسیاتی مطالعہ

3. HEC کے جرنلز میں شائع شدہ تیرہ ادبی اور تحقیقی پیپرز

4. دس انٹرنیشنل کانفرنسوں میں شرکت

5. TV چینل پر "موجودہ عہد میں لائبریریوں کی اہمیت" پر گفتگو

6. دلچسپی کے شعبہ جات

تدریس، تحقیق، تنقید، ادب اور نفسیات

اس کے بعد خاکسار نے میزبان کی حیثیت سے ابتداء کی۔ میں نے حبیب جالب کی شخصیت اور شاعری پر ایک مضمون پڑھا۔ جو میں نے 1995ء میں ہونے والی ایک تقریب میں پڑھا تھا اور اسی سال شائع ہوا تھا۔

اس کے بعد Stuttgart سے تشریف لانے والی محترمہ 'ہما فلک' نے اپنے افسانوی مجموعہ "روح دیکھی ہے کبھی؟" سے ایک افسانہ "قصہ ایک لاش کا" پڑھ کر سنایا جسے سراہا گیا۔

پھر فرانکفرٹ کے افسانہ نگار جناب وحید احمد قمر نے اپنا ایک افسانہ بعنوان "قہر" پڑھا۔ ان کے بعد Pirmasens سے آئے ہوئے جناب اسحاق ساجد صاحب جن کے شاعری کے دو مجموعوں کے علاوہ گیتوں کا ایک مجموعہ چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ انہوں نے "اردو پر جدید ٹیکنالوجی کے اثرات" پر ایک مقالہ پڑھا۔ جو پسند کیا گیا۔

پھر جناب ڈاکٹر اجیت سنگھ سکند نے "ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی خرابی کی وجوہات" کے موضوع پر گفتگو کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایک دوسرے پر صرف تنقید کرنے کی بجائے دونوں ملکوں کے لوگوں کو اپنے اپنے افعال پر غور کرنا چاہئے۔ انہوں نے بتایا کہ جب وہ Heidelberg پڑھنے کے لئے آئے تو یونیورسٹی کے قریب ڈاکٹر علامہ اقبال کا وہ گھر تھا جہاں وہ رہتے تھے۔ اس وقت اس گھر کے باہر ایک تختی لگی تھی جس پر لکھا تھا۔

"Indian Poet Iqbal lived here"

جب وہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو وہ تختی بدل چکی تھی۔ اس پر لکھا تھا:

"Pakistani Poet born in India lived here"

اور آج اس تختی پر لکھا ہوا ہے

PDF Compressor Free Version

Und Geistiger,National Philosoph,Dichter
Vater Pakistans lebte hier

ان کے بعد Heidelberg یونیورسٹی میں اردو کی استاد محترمہ امۃ المنان طاہر صاحبہ نے "یورپ میں اردو کے مستقبل" پر اپنا مقالہ پڑھا۔

انہوں نے کہا کہ یورپ میں اردو کے مستقبل سے مراد یورپ میں اردو بولنے والے خاندانوں کو دیکھنا ہے یا یورپ کی یونیورسٹیوں میں اردو زبان کی تعلیم۔

پھر ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ یورپ میں اردو زبان میں ادب تخلیق ہو رہا ہے یا اردو زبان کی ترویج پر بھی کام ہو رہا ہے۔ ادب تخلیق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف اردو جاننے والے قاری کے لئے کچھ لکھ رہے ہیں اور یہ میرے نزدیک عموماً کوئی شاعر یا ادیب اپنی تسکین کے لئے کر رہا ہوتا ہے۔ کسی زبان کی ترویج کے لئے اشاعت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

پھر برلن سے تشریف لانے والی ڈاکٹر عشرت معین سیما نے "جرمنی میں اردو نثر لکھنے والے" کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے خاوند جناب سید انور ظہیر رہبر اور کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر برلن میں ایک ادارہ کھولا ہوا ہے جس کا نام ہے "ایک چھت کے نیچے" جہاں ماں باپ آ کر جرمن سیکھتے ہیں اور ان کے بچے اردو زبان سیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جرمنی میں نثر نگاری کی حالت خستہ ہے۔ شعری اعتبار سے تو ہر چھوٹے بڑے شہر میں مشاعرے منعقد کئے جاتے ہیں۔ نثر کی طرف توجہ بہت کم ہے۔ مضامین ہوں۔ افسانہ نویسی، خاکہ نگاری۔ مزاح نویسی، انشاء پردازی یا خطوط نویسی۔ البتہ ہمارے یہاں ڈاکٹر منیر الدین احمد نے بہت کام کیا ہے۔ ان کے علاوہ حیدر قریشی صاحب، محترمہ امۃ المنان صاحبہ، محترم عامر عزیز صاحب اور کچھ لوگ ہیں جو اس جہت میں کام کر رہے ہیں۔

ان کے بعد جناب سید انور ظہیر رہبر نے اپنا ایک افسانہ "سردخانے میں" پڑھ کر سنایا جو بہت پسند کیا گیا۔

پھر صوبہ Hessen کی انتظامی عدالت کے جج جناب ہورسٹ شیفر نے جج کی حیثیت سے اپنے تجربات کے علاوہ اپنے ادبی کاموں کی تفصیل بتائی۔ انہوں نے کہا کہ literature دراصل ایک لاطینی لفظ Litra سے ہے۔ جس کے معنی حروف ابجد یا تحریر کے ہیں اور یوں میں نے اپنی ملازمت میں تحریر سے بہت کام لیا۔ بے شمار فیصلے تحریر کئے۔ پھر 11/9 کے واقعہ کے بعد میں نے اپنے شہر کے لوگوں کو مدعو کیا تا کہ وہ اس ہولناک واقعہ کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ ان میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ مختلف قسم کی تنقید کی گئی اور میں نے سب اظہار خیال کرنے والوں کی تحریروں کو ایک کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب کا نام ہے:

"Nachdenken Uber Den llte September"

اس کے بعد میرے شہر میں دوسری جنگ عظیم کے دوران یہودی خاندانوں پر جو ظلم ہوئے۔ ان کو تلاش کرنے اور تحقیق کرنے کے بعد ان لوگوں کے اس وقت کے گھروں کے سامنے یادگاری پتھر نصب کروائے اور ان خاندانوں کے حالات زندگی اور ان پر ہونے والے ظلم کو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب کا نام ہے:

"Und tilg Nicht Unser Angedenken"

میں نے بطور جج بیس سال خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد معروف ادیب جناب حیدر قریشی نے ایک خاکہ "پسلی کی ٹیڑھ" جو انہوں نے اپنی مرحومہ بیگم کے متعلق لکھا تھا پڑھ کر سنایا۔ یہ دراصل اسی موضوع پر دوسرا خاکہ تھا کیونکہ ایک خاکہ انہوں نے اپنی اہلیہ کی زندگی میں لکھا تھا اور دوسرا انہیں پر ان کی وفات کے بعد لکھا۔ یہ خاکہ موضوع اور ان کی عائلی زندگی کے سبب خاصہ جذباتی تھا۔ اس لئے اس کو اکثر لوگوں نے پسند کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی اہلیہ مبارکہ حیدر کے متعلق ان کی حیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس کا نام ہوگا "حیات مبارکہ حیدر"۔

آخر میں میں نے احباب کو بتایا کہ محترمہ پروفیسر ڈاکٹر عاصمہ راؤ اب تک دس غیر ملکوں کے دورے کر چکی ہیں اگر ان کے اعزازت کی تفصیل بیان کرنے لگوں تو کافی وقت درکار ہوگا لہٰذا میں اب محترمہ ڈاکٹر صاحبہ سے درخواست کروں گا کہ وہ خود ہی اپنی جدوجہد اور اپنے ادبی Contribution پر اظہار خیال کریں۔

ڈاکٹر صاحبہ نے سب سے پہلے سب شرکاء اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا جو ان کی آمد پر دور دور سے سفر کر کے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنی جدوجہد کی کہانی کا یوں آغاز کیا۔ تنقید کے حوالہ سے آپ لوگ دیکھئے کہ جب ہم لوگ کالج میں تھے تو تقریری مقابلوں میں حصہ لیا

PDF Compressor Free Version

کرتے تھے جب ڈیبیٹ ہوتی تھی تو سب کو سنا جاتا تھا سننے کے بعد نئے نکات نکالے جاتے تھے اور وہی ڈیبیٹر کامیاب ہوتا تھا زیادہ نکات بیان کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں اردو ادب کے مستند اور معروف نقاد جناب ڈاکٹر سلیم اختر کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ ان کا میرا تعلق ایک باپ بیٹی کا تھا۔ ان کے زیر سایہ میں 2008ء سے گذشتہ برس ان کی وفات تک رہی۔ انہوں نے میرا Career بنانے میں میری بہت مدد کی۔ مجھے نہیں پتہ تھا کیونکہ میں تو History کی طالب علم تھی، سوشل ورک پڑھی تھی۔ ایم اے اردو تو حادثاتی طور پر ہو گیا۔ ایم فل میں جب آئی تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تم نے پڑھنا ہے۔

انہوں نے مجھے سلیقہ سکھایا اور سارے سلیقے کے بعد یہ سمجھایا کہ زندگی میں آپ نے جو خواہش رکھنی ہے وہ بلند رکھنی ہے۔ سب سے پہلے میں نے جب ایم فل کیا تو میں نے top کیا تو وہیں یونیورسٹی میں مجھے پڑھانے کا موقع ملا۔ میں نے وہاں بی ایڈ۔ ایم ایڈ اور ایم فل کی کلاسوں کو پڑھانے سے آغاز کیا۔ اس کے بعد 2012ء میں میری پنجاب پبلک سروس کمیشن میں سلیکشن ہوئی۔ فیڈرل میں میری سلیکشن ہوئی۔ ایف سی کالج یونیورسٹی میں میری سلیکشن ہوئی۔ یہ ان کی دعا کا نتیجہ تھا انہوں نے کہا تھا کہ جب آپ کو سلیکشن ملے گی تو اتنی ملے گی کہ آپ چوائس کریں گی۔ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر صاحب سے اور طاہر تونسوی صاحب سے کہا کرتی تھی کہ یہ HEC جرنلز میں مضامین چھپوانے کا مجھے کیوں کہتے ہیں تو وہ کہتے تھے کہ تم یاد کرو گی کبھی۔ ایسا ہی ہوا 2015ء میں ایک سیٹ نکلی اسسٹنٹ پروفیسر کی اور ایسوسی ایٹ پروفیسر کی بھی۔ میں نے دیکھا کہ میں Hec جرنل میں چھپنے کی وجہ سے Criteria کو میٹ کرتی ہوں تو میں نے apply کر دیا۔ الحمدللہ پاکستان پبلک سروس کمیشن کی پچاس سالہ تاریخ میں مجھے ایک ایسا ریکارڈ قائم کرنے کا موقع ملا کہ میں وہ پہلی خاتون ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی مدد، اساتذہ کی دعاؤں سے، ماں کی دعا سے ایک سال کے اندر اندر گریڈ 17 سے گریڈ 19 میں ترقی حاصل کی یعنی ایک ہی سال میں لیکچرر سے اسسٹنٹ پروفیسر اور پھر فل پروفیسر کا سفر طے کر لیا۔

پھر امپیریل یونیورسٹی میں پڑھانے کا موقع ملا۔ میرے ایک شاگرد عزیز ہیں جو اردو اور پنجابی کے بہت اچھے شاعر ہیں اور شیخوپورہ کالج سے ریٹائرڈ ہیں۔ وہ میرے شاگرد ہیں۔ وہ مجھے بیٹی کہتے ہیں میں ان کو بیٹا کہتی ہوں۔ وہ 65 سال کے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا سلیقہ عطا کیا ہے کہ استاد کی عزت کیسے کرنی ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میرے اس شاگرد سے پوچھ لیں کہ میں ان کو تین گھنٹے پڑھا بھی پاتی ہوں یا نہیں تو وہ کہنے لگے کہ مجھے ایک عرصے کے بعد ایسے لگا کہ جو اقبال نے کہا تھا:

"جوانوں کو پیروں کا استاد کر"

تو وہ سلسلہ چلتا رہا۔ میں نے "دیوتا اور چرن داس" جب پڑھا تو اس پر میں نے لکھا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ سر یہ اس سے آگے نہیں لکھا جا سکتا تو کہنے لگے عاصمہ یہ بہت اچھا لکھا ہے اسے آگے بڑھاؤ۔ میں نے کہا کہ سر یہ میں نے ایک ہی sitting میں لکھا ہے اور میں سوئی پڑی اٹھی ہوں۔ اس وقت مجھے آپ کا خیال آیا۔ میرے پاس ہی کاغذ قلم پڑا تھا تو لکھ لیا اب مجھ سے مزید نہیں لکھا جائے گا وہ کہنے لگے کہ اسے آگے بڑھاؤ۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا کیونکہ وہ وہیں ختم ہو گیا تھا۔ جب میں رکی تو پھر آگے نہیں چل سکتی تھی۔ میں نے ڈاکٹر سلیم اختر صاحب اور طاہر تونسوی صاحب پر ایک مضمون لکھا ابھی ایک ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا دیباچہ لکھا تو یہ سب جو آپ لوگوں کے سامنے ہے، اس میں میرا کوئی contribution نہیں۔ میرا حصہ نہیں میں سمجھتی ہوں کہ سارا حصہ میرے ان اساتذہ کا ہے۔ جنہوں نے میری انگلیاں پکڑ پکڑ کر مجھے چلایا۔ میری ماں کی دعا نے چلایا اور آج یقین کریں ایک عرصے کے بعد مجھے میرے یہ دونوں بزرگ (انکل طاہر مجید اور آنٹی) جب مجھے اسٹیشن پر لینے آئے تو مجھے احساس ہوا کہ چہروں کو دیکھ کر کس طرح ساری کی ساری تھکان اتر جاتی ہے محبت انسان کے لئے کتنی ضروری ہے اور کتنا بڑا زندگی کا حصہ ہے۔

دوسری بات رہی اردو کے حوالہ سے تو میں بھی بہت اداس ہو جاتی ہوں کہ اتنا ہم لوگ کچھ نہیں کر پا رہے۔ بچوں کو سلیبس کی چیزیں پڑھا رہے ہیں۔ بچے مقداری بننے کی کوشش کر رہے ہیں وہ معیاری بننے کی کوشش نہیں کر رہے۔ میں بچوں سے کہتی ہوں کہ آپ انجینئر بنیں گے، ڈاکٹر بنیں بے، سب کچھ بنیں گے لیکن اردو سے آپ جڑ کر رہو۔ میری چھوٹی چھوٹی Assignments ہوتی ہیں ان کو گنتی لکھنے کے لئے دیتی ہوں۔ ان کو نہیں آتی۔ ان کو قومی ترانہ لکھنے کا کہتی ہوں کہ لکھ کر لائیں وہ بھی ان کو نہیں آتا۔ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بہت ضروری ہیں ہمارے

PDF Compressor Free Version

لیے۔ ہم کوشش کے باوجود اردو کے سارے الفاظ نہیں بول پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کہ ہمارے معاشرے کا یہ چلن بن گیا ہے کہ جو شائستگی اور شگفتگی کے ساتھ گفتگو کریں تو لوگ مذاق سمجھتے ہیں۔ جیسے باقر صاحب کہا کرتے تھے ارے بھائی ادھر آیئے، یہ سمجھئے۔ اگر ہم یہ لہجہ اپنائیں گے تو مذاق بن جائے گا۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے۔ اردو کے لیے مجھے یہ شعر پسند ہے

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتہ گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے
میرے لیے تو سانس بھی لینا محال تھا
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

اردو کو زندہ کرنے کے لیے ہمیں ہی کوشش کرنی ہے انفرادی طور پر بھی اور پھر اس کے بعد اس انفرادیت کو ہم نے کوشش کرنی ہے کہ اسے ایک مجمع کی صورت لے آئیں۔ باقی ابھی تک جو کام کیا ہے میں خود تو اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ بس ہوتا چلا گیا تو بنیادی بات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمائی ہے کہ تُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ وہ خیر کا راستہ چاہتا ہے۔

جب میں نے Hec میں انٹرویو دیا تو چیئرمین صاحب نے مجھے کہا بیٹا آپ کہاں جانا چاہتی ہیں تو میں نے کہا کہ سر میں سنگل ہوں میری والدہ ہیں۔ میں نزدیک جانا چاہتی ہوں جہاں میری والدہ میرے ساتھ چلی جائیں کہیں بھی بھیج دیں۔ جب فائنل انٹرویو میں ہم گئے تو میرے استاد خالد سنجرانی صاحب نے مجھے بہت appreciate کیا۔ کیونکہ ہم دونوں وہاں Candidate تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ سر میری یہ بالکل بساط نہیں ہے۔ لیکن جانے اللہ تعالیٰ نے میری کون سی عاجزی کا صلہ دیا کہ میں آج آپ کے ساتھ Candidate ہوں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے سلیکشن ہونا نہ ہونا الگ بات ہے آپ کو اس معیار پر اللہ تعالیٰ کی ذات کا کھڑا کر دینا بتاتا ہے کہ کچھ ہے۔ تو میں نیپال کے لیے منتخب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سے آنے والے وقت میں میری ایک ہی خواہش ہے اچھا استاد بننے کی۔

انٹرویو میں مجھ سے سوال پوچھا گیا چیئرمین صاحب کی طرف سے اور مجھے یقین ہے کہ مجھے اسی سوال پر سلیکٹ کیا گیا ہوگا۔ کہ "ایک اچھے استاد کی پانچ خوبیاں بتائیں"۔

تو میں نے کہا کہ اچھے استاد کی پانچ نہیں ایک ہی خوبی کافی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں جتنے بھی برس ہیں، دس، بیس، تیس، وہ ان میں ہر سال ایک اچھا انسان پیدا کردے۔ جیسے حالی نے کہا تھا:

فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

تو وہ چیز ہونی چاہئے۔ طالب علموں کو انسانیت کے درجے پر لے کر آئیں لیکن اس کے لیے آپ کو خود بھی محنت کرنی پڑے گی خود کو بھی کوشش کرنی چاہئے کہ آپ دوسروں کو برداشت کرنا سیکھیں۔ ہمارے ہاں تو ایک جملہ سن لیا تو اپنا سارے کا سارا گرا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

مجھے ترا خیال تھا شورشِ جنوں میں بھی
میں تیر تھا کھنچا ہوا مگر کمان میں رہا

تو تیر کی طرح کھینچ کر رہو مگر کمان میں رہو۔ چلنا ضروری نہیں تو چلنے کے لیے آپ کوشش کریں کہ خود کو سنبھال کر رکھیں اپنے آپ کو وقت آنے پر چلنا بھی چاہئے۔ بتانا بھی چاہئے لیکن جہاں ضرورت نہیں وہاں سنبھل کر۔ بہرکیف آپ سب سے ملاقات کا سلسلہ جو میرے اس (طاہر مجید) بزرگ نے بنایا بلکہ انہوں نے نہیں سب میری آنٹی نے کام کیا ہے۔ کمال کا کام کیا ہے۔ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں اور الحمدللہ دونوں میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ کمال کے دوست ہیں کہ میری سانس کو بھی پہچان جاتے ہیں۔ میں ابھی تک کوئی سات ملکوں سے ہو کر آئی ہوں۔ کہیں میری آنکھیں نم نہیں ہوئیں۔ مگر یہ دونوں یہ شرارت کرا کے چھوڑیں گے۔ ان کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے کہ مجھے بھی سمجھ نہیں یہ کیسے ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو سلامتی والی زندگی دے۔ میری نیک خواہشات اور دعائیں آپ سب کے لیے ہیں۔

انسان کو کچھ سلسلے سمجھ میں نہیں آتے اور سمجھنے بھی نہیں چاہئے۔ کیونکہ ہر چیز سمجھنے کا ایک وقت ہے جو اللہ کی ذات نے مقرر کر دیا ہے۔ زندگی میں مثبت ہونا بڑا مشکل ہے تو Positivity کو اپنا ہتھیار بنالو تو زندگی بڑی آسان ہوجاتی ہے تو کوشش یہی ہے۔ باقر صاحب نے کہا تھا:

خواہش پہ مجھے ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا
پیاسا ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

تو آپ کے سامنے ہر چیز موجود ہے تو یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کو لینا چاہتے ہو یا پھر ویسے کھڑے رہ کر زندگی گزار دیتے ہو۔

ڈاکٹر صاحبہ کے خطاب کے بعد خاکسار نے تمام شرکاء اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور پانچ گھنٹے کی یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔ آخر میں سب کی خدمت میں میری طرف سے شام کا کھانا پیش کیا گیا۔

PDF Compressor Free Version

شعبہ انٹرنیشنل

انڈین آر ایس ایس کے بارے میں ہم کتنا جانتے ہیں؟

تحریر افتخار گیلانی

متعدد تجزیہ کار کئی بار حکمراں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کو یورپ کے دائیں بازو کی قدامت مگر غیر فرقہ پرست جماعتوں یعنی جرمنی کی کرسچن ڈیموکریٹ یا برطانیہ کی ٹوری پارٹی سے تشبیہ دے کر چوک جاتے ہیں، کہ ان یورپی سیاسی جماعتوں کے برعکس بی جے پی کی کمان اس کے اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اس کی طاقت کا اصل سرچشمہ اور نکیل ہندو قوم پرستوں کی مربی تنظیم راشٹریہ سیویم سنگھ (آری ایس ایس) کے پاس ہے، جو بلاشبہ فی الوقت دنیا کی سب سے بڑی خفیہ تنظیم ہے، جس کے مالی وانتظامی معاملات کے بارے میں بہت ہی کم معلومات ابھی تک منظر عام پر آئی ہیں۔

گو کہ آر ایس ایس اپنے آپ کو ایک ثقافتی تنظیم کے طور پر متعارف کرواتی ہے، مگر حال ہی میں اس کے سربراہ موہن بھاگوت نے یہ کہہ کر چونکا دیا کہ ہنگامی صورت حال میں ان کی تنظیم صرف تین دن سے بھی کم وقفہ میں 20 لاکھ سیویم سیوکوں (کارکنوں) کو جمع کر کے میدان جنگ میں لاسکتی ہے۔فوج کو صف بندی اور تیاری میں کئی ماہ درکار ہوتے ہیں۔وہ یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے، کہ آر ایس ایس کی تنظیمی صلاحیت اور نظم وضبط فوج سے بدرجہا بہتر ہے۔

معروف مصنف اور قانون داں اے جی نورانی نے حال ہی میں شائع 500 صفحات پر مشتمل ضخیم تصنیف The RSS:A Menace to India میں اس تنظیم کے حوالے سے کئی انکشافات کئے ہیں۔گو کہ بی جے پی کے لیڈر روزمرہ کے فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتے ہیں، مگر اہم فیصلوں کے لیے ان کو آر ایس ایس سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔بی جے پی میں سب سے طاقتور آرگنائزنگ جنرل سیکرٹری آر ایس ایس کا ہی نمائندہ ہوتا ہے۔

آر ایس ایس کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ایک خاص پوزیشن کے بعد صرف غیر شادی شدہ کارکنان کو ہی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا جاتا ہے۔آر ایس ایس میں شامل ہونے اور پوزیشن حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کے موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنی اہلیہ جسودھا بین کو شادی کے چند سال بعد ہی چھوڑ دیا تھا۔اس لئے آر ایس ایس کی پوری لیڈرشپ غیر شادی شدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔آر ایس ایس کے سب سے نچلے یونٹ کو شاکھا کہتے ہیں۔ایک شہر یا قصبہ میں کئی شاکھائیں ہوسکتی ہیں۔ہفتہ میں کئی روز دہلی کی پارکوں میں یہ شاکھائیں ڈرل کے ساتھ ساتھ لاٹھی، جوڈو، کراٹے اور یوگا کی مشق کا اہتمام کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔

ورزش کے ساتھ ساتھ یونٹ کا انچارج ذہن سازی کا کام بھی کرتا ہے۔آر ایس ایس کے سربراہ کو سرسنگھ چالک کہتے ہیں اور اس کی مدد کے لیے چار راشٹریہ سہکرواہ یعنی معتمد ہوتے ہیں۔اس کے بعد اسکے چھ تنظیمی ڈھانچے ہیں۔جن میں کیندریہ کاریہ کاری منڈل، اکھل بھارتیہ پرتیندی سبھا، پرانت یا ضلع سنگھ چالک، پرچارک، پرانت یا ضلع کاری کاری منڈل اور پرانت پرتیندی سبھا شامل ہیں۔پرانت پرچارک جو کسی علاقے یا ضلع کا منتظم ہوتا ہے کا غیر شادی شدہ یا خانگی مصروفیات سے آزاد ہونا لازمی ہوتا ہے۔بی جے پی کی اعلیٰ لیڈرشپ میں فی الوقت وزیر اعظم مودی اور صدر امت شاہ آر ایس ایس کے کارکنان رہے ہیں۔اس کے باوجود آر ایس ایس نے اپنے دو سینئر پرانت پرچارک رام مادھو اور رام لال کو بی جے پی میں بطور جنرل سیکرٹری تعینات کیا ہوا ہے، تاکہ پل پل کی خبر موصول ہو۔

نورانی کے بقول اس تنظیم کی فلاسفی ہی فرقہ واریت، جمہوریت مخالف اور فاشزم پر ٹکی ہے۔سیاست میں چونکہ کئی بار سمجھوتوں اور مصالحت سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے اس میدان میں براہ راست کودنے کے بجائے اس نے 1951 میں جن سنگھ اور پھر 1980 میں بی جے پی تشکیل دی۔بی جے پی پر اس کی گرفت کے حوالے سے نورانی کا کہنا ہے کہ آر ایس ایس کی ایما پر اس کے تین نہایت طاقت ور صدور ماؤلی چندر اشرما، بلراج مدھوک اور ایل

PDF Compressor Free Version

کے ایڈوانی کو برخاست کیا گیا۔ اڈوانی کا قصور تھا کہ 2005 میں کراچی میں اس نے بانی پاکستان محمد علی جناح کو ایک عظیم شخصیت قرار دیا تھا۔ مصنف کی دلیل ہے کہ جو افراد بی جے پی کو یورپ کی قدامت پسند جماعتوں کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اس پارٹی کی تاریخ اور تنظیم سے واقف نہیں ہیں۔ ان کے لیے عرض ہے کہ؛

آپ پوپ کو کبھی پروٹسٹنٹ نہیں بنا سکتے ہیں۔ تنظیم کی فلاسفی اور بنیاد ہی فرقہ وارانہ خطوط پر ٹکی ہے۔

آر ایس ایس کی تقریباً 100 سے زائد شاخیں ہیں، جو الگ الگ میدانوں میں سرگرم ہیں۔ جیسا کہ سیاسی میدان میں بی جے پی، حفاظت یا سکیورٹی کے لیے (دوسرے لفظوں میں غنڈہ گردی کے لیے) بجرنگ دل، مزدوروں یا ورکروں کے لیے بھارتیہ مزدور سنگھ، دانشوروں کے لیے وچار منچ، غرض کہ سوسائٹی کے ہر طبقہ کی رہنمائی کے لیے کوئی نہ کوئی تنظیم ہے۔ حتیٰ کہ پچھلے کچھ عرصہ سے آر ایس ایس نے مسلم راشٹریہ منچ اور جماعت علماء نامی دو تنظیمیں قائم کر کے انہیں مسلمانوں میں کام کرنے کے لیے مختص کیا ہے۔ پچھلے انتخابات کے دوران یہ تنظیمیں کشمیر میں خاصی سرگرم تھیں۔ ان سبھی تنظیموں کے لیے آر ایس ایس کیڈر بنانے کا کام کرتی ہے، اور ان کے لئے اسکولوں اور کالجوں سے ہی طالب علموں کی مقامی شاکھاؤں کے ذریعے ذہن سازی کی جاتی ہے۔

آج کے دن اس کی کل شاکھاؤں کی تعداد 84877 ہے جو ملک اور بیرون ملک کے مختلف مقامات پر ہندوؤں کو انتہا پسندانہ نظریاتی بنیاد پر جوڑنے کا کام کر رہی ہیں۔ 20 سے 35 سال کی عمر کے تقریباً 1 لاکھ نوجوانوں نے پچھلے ایک سال میں آر ایس ایس میں شمولیت اختیار کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آر ایس ایس ہندوستان کے 88 فیصد بلاک میں اپنی شاکھاؤں کے ذریعے رسائی حاصل کر چکا ہے۔ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ ایک سال میں آر ایس ایس نے 113421 تربیت یافتہ سوئم سیوک سنگھ تیار کیے ہیں۔ ہندوستان سے باہر ان کی کل 39 ممالک میں شاکھائیں ہیں۔ یہ شاکھائیں ہندو سوئم سیوک سنگھ کے نام سے کام رہی ہیں۔ ہندوستان سے باہر آر ایس ایس کی سب سے زیادہ شاکھائیں نیپال میں ہیں۔ اس کے بعد امریکہ میں اس کی شاکھاؤں کی تعداد 146 ہے۔ برطانیہ میں 84 شاکھائیں ہیں۔ آر ایس ایس کینیا کے اندر بھی کافی مضبوط حالت میں ہے۔ کینیا کی شاکھاؤں کا دائرہ کار پڑوسی ممالک تنزانیہ، یوگانڈا، ماریشش اور جنوبی افریقہ تک پھیلا ہوا ہے اور وہ ان ممالک کے ہندوؤں پر بھی اثر انداز ہو رہے ہیں۔

دلچسپ بات یہ کہ ان کی پانچ شاکھائیں مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک میں بھی ہیں۔ چوں کہ عرب ممالک میں جماعتی اور گروہی سرگرمیوں کی کھلی اجازت نہیں ہے اس لئے وہاں کی شاکھائیں خفیہ طریقے سے گھروں تک محدود ہیں۔ بتایا جاتا ہے، کہ بابری مسجد کی مسماری اور رام مندر کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ چندہ ان ہی ممالک سے آیا تھا۔ فن لینڈ میں ایک الیکٹرانک شاکھا ہے جہاں ویڈیو کیمرے کے ذریعے بیس ممالک کے افراد جمع ہوتے ہیں۔ یہ ممالک وہ ہیں جہاں پر آر ایس ایس کی باضابطہ شاکھا موجود نہیں ہے۔ بیرون ملک آر ایس ایس کی سرگرمیوں کے انچارج رام مادھو ہیں، جو اس وقت بی جے پی کے قومی جنرل سیکریٹری بھی ہیں۔ کشمیر امور کو بھی دیکھتے ہیں، اور وزیر اعظم مودی کے بیرونی دوروں کے دوران بیرون ملک مقیم ہندوستانیوں کی تقاریب منعقد کراتے ہیں۔

آر ایس ایس کے ایک چوٹی کے لیڈر سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک بار میں نے پوچھا کہ آیا مسلمان، جو ہندوستان کے مکین ہیں کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ تو ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں سے ان کو کوئی شکایت نہیں ہے اگر وہ ہندو جذبات کا خیال رکھیں۔ میں نے پوچھا کہ ہندو جذبات سے ان کی کیا مراد ہے؟ تو ان کا کہنا تھا؛

ہندو کم و بیش 32 کروڑ دیوی دیوتاؤں پر یقین رکھتے ہیں، ہمارے لئے یہ کوئی ناک کا مسئلہ نہیں کہ ہم پیغمبر اسلام کی بھی اسی طرح عزت افزائی کریں۔ مگر مسلمان اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں، اور نہ ہی اپنے یہاں کسی ہندو دیوی دیوتا کی تصویر یا مورتی رکھتے ہیں۔

اپنے دفتر کی دیوار پر بابا گرونانک اور گرو گوبند سنگھ کی لٹکتی تصویر اور کونے میں مہاتما بدھ اور مہاویر کی مورتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، انہوں نے کہا:

دیگر مذاہب یعنی سکھوں، بدھوں اور جینیوں نے ہندوؤں کے ساتھ رہنے کا

PDF Compressor Free Version

سلیقہ سیکھا ہے، جو مسلمانوں کو بھی سیکھنا پڑے گا۔

غالباً گجرات فسادات کے بعد 2002ء میں ایک مسلم وفد آر ایس ایس کے اس وقت کے سربراہ کے سدرشن جی سے ملنے ان کے صدر دفتر ناگپور چلا گیا۔ جس میں اعلیٰ پایہ کے مسلم دانشور شامل تھے۔ ملاقات کا مقصد ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کو کم کرنے کے لیے آر ایس ایس کو قائل کرنا تھا اور ان کے سامنے مسلمانوں کے نظریہ کو رکھنا تھا۔ اس وفد کے ان رکن کے بقول کہ جب ہم نے سدرشن جی سے پوچھا کہ کیا مسلمانوں اور ہندوؤں میں مفاہمت نہیں ہوسکتی ہے؟ کیا رسہ کشی کے ماحول کو ختم کرکے دوستانہ ماحول میں نہیں رہا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں کے سدرشن نے مسلم وفد کو بتایا کہ:

ضرور آر ایس ایس جیسی شدت پسند تنظیم مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرسکتی ہے، لیکن اس کے لیے شرط ہے۔ آپ لوگ (مسلمان) کہتے ہو کہ اسلام ہی برحق اور سچا دین ہے، آپ ایسا کہنا چھوڑ دیجئے اور کہیے کہ اسلام بھی برحق اور سچا دین ہے تو ہماری آپ کے ساتھ مفاہمت ہوسکتی ہے۔ اسلام ہی حق ہے کے بجائے اسلام بھی حق ہے، کا مطالبہ کرنا بظاہر ایک معمولی بات ہے اور یہ مطالبہ اب فرقہ پرست ہی نہیں، بلکہ خودساختہ لبرل مسلمانوں کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے۔ مگر آر ایس ایس علما و دانشوروں پر مبنی اس وفد کو اس بات پر قائل نہیں کرا سکی کیونکہ وفد کے تمام لوگ دینی علوم سے مکمل طور پر واقفیت رکھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ اس مطالبے کو ماننے سے ان کے ایمان کا کیا حشر ہوجائے گا۔

اقبال اور ملا

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی نے اس رسالہ کے ذریعہ سے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ علامہ اقبال کی ساری زندگی ملا کی تنگ نظری کے خلاف جہاد میں گذری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کا ملا اقبال کو اپنا ہمنوا ظاہر کرتے ہوئے حجاب محسوس نہیں کرتا۔ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب نے اس 28 صفحہ کے رسالہ میں اقبال کے کلام کی روشنی میں ملا کا اصل مقام پیش کیا ہے۔ رسالہ مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ "بزم اقبال کلب روڈ لاہور"

عرب میں ایک عورت تھی اس کا نام اُم جعفر تھا۔ انتہائی سخی تھی۔ لوگوں میں ایسے تقسیم کرتی تھی کہ دائیں کو بائیں ہاتھ کا پتا نہ چلے۔ کچھ دنوں سے وہ ایک راستے سے گزرنے لگی۔ اس راستے پر دو اندھے بیٹھے ہوتے۔ یہ دونوں صدائیں لگاتے۔ ایک کی صدا ہوتی: "الٰہی! مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عطا کر۔" دوسرا اندھا کہتا: "یا رب مجھے ام جعفر کا بچا ہوا عطا کر۔" ام جعفر ان دونوں کی صدائیں سنتی اور دونوں کو عطا کرتی۔ جو شخص اللہ کا فضل طلب کر رہا تھا، اسے دو درہم دیتی جبکہ ام جعفر" کے فضل کے طلبگار کو ایک بھنی ہوئی مرغی عطا کرتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جسے مرغی ملتی، وہ اپنی مرغی دوسرے اندھے کو دو درہم میں بیچ دیتا۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن ام جعفر اس اندھے کے پاس آئی جو ام جعفر کا فضل طلب کرتا تھا اور اس سے سوال کرتا تھا اور اس سے سوال کیا: "کیا تمہیں سو دینار ملے ہیں؟" اندھا حیران ہوگیا۔ اس نے کہا: "نہیں! مجھے صرف ایک بھنی ہوئی مرغی ملتی تھی جو میں دو درہم میں بیچ دیتا تھا" ۔ ام جعفر نے کہا: "جو اللہ کا فضل طلب کر رہا تھا، میں اسے دو درہم دیتی اور تمہیں بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار ڈال کر دیتی رہی۔" اندھے نے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ چیخنے اور چلانے لگا: "ہائے میری کمبختی، کاش میں ایسا نہ کرتا۔ میں مارا گیا۔" ام جعفر نے کہا: "یقیناً اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب ہے اور انسانوں کے فضل کا طلبگار محروم ہے۔"

اشتہارات کے لیے

رسالہ ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل کو پاکستان اور دنیا بھر سے لاکھوں قارئین مطالعہ کرتے ہیں یہ پرنٹ کے علاوہ آن لائن ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں اپنے اشتہارات شائع کروا کر مقامی طور پر اپنی کمپنی کی تشہیر، مشہوریت کر سکتے ہیں معلومات کیلئے آپ ہمارے نمائندگان اور ادارے سے براہ راست رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں لاہور انٹرنیشنل youTube چینل کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔ تمام معلومات اس رسالے میں موجود ہیں شکریہ

http:www.youtube.com/channel/
UCwM31ueU85MOWeH0UBFhMYw

PDF Compressor Free Version

ریاست مدینہ کے خدوخال

تحریر حافظ مظفر احمد

ریاست مدینہ کے بانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ظلم، بربریت اور تعصبات کی دنیا میں مبعوث ہو کر عدل و احسان، مذہبی رواداری اور حریت ضمیر و مذہب کی بھی ایسی اعلیٰ تعلیم فرمائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

مذہبی آزادی اور اسلامی تعلیم

بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی رواداری اور آزادیٔ ضمیر کی بے نظیر تعلیم دی اور اعلان کیا کہ "دین میں کوئی جبر نہیں۔" (سورۃ البقرۃ:257)

نیز فرمایا: "جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" (سورۃ الکہف:30)

اسلام کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس نے دیگر مذاہب و اقوام کے ساتھ عدل و انصاف کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ بانیٔ اسلام اور ان کے سچے پیروؤں نے اس پر عمل کر کے غیر مذاہب کے ساتھ رواداری اور احسان کے بہترین نمونے پیش کئے۔ بے شک اسلامی تعلیم میں قیام عدل کی خاطر ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے لیکن عفو کو زیادہ پسند کیا گیا ہے اور فرمایا کہ اس کا اجر خدا نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ (سورۃ الشوریٰ:41)

غیر مسلم دشمن سے حسن سلوک

غیر قوموں اور مذاہب کی مذہبی زیادتیوں کے جواب میں کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع کرتے ہوئے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے:

"ایسی قوم جس نے تمہیں بیت اللہ سے روکا، اس کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم زیادتی کر بیٹھو بلکہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔" (سورۃ المائدۃ:3)

دوسری جگہ فرمایا اور "کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔" (سورۃ المائدۃ:9)

اسلام نے صرف یہ اصولی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ تفصیل میں جا کر مشرکین کے برابر کے حق قائم فرمائے۔ چنانچہ زمانہ جنگ میں اگر مومن عورتیں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آجائیں تو انہیں واپس کرنے کی بجائے ان کی مشرک قوم میں ان عورتوں کے ولی کو وہ اخراجات ادا کرنے کا حکم ہے جو انہوں نے ان مومن عورتوں پر کئے۔ اور کافر عورتوں سے زبردستی نکاح کرنے اور انہیں اپنے پاس روک رکھنے سے منع فرمایا اور انہیں واپس مشرکین کے پاس لوٹاتے ہوئے مسلمانوں کو ان اخراجات کے مطالبہ کا حق دیا جس طرح کفار کو یہ حق حاصل ہے۔ (سورۃ الممتحنۃ:11)

اسلام نے دشمن قوم حتیٰ کہ مشرکین کا امن کے ساتھ زندہ رہنے کا حق بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ فرمایا:

"اور مشرکوں میں سے اگر کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اسے اس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دے یہ (رعایت) اس لئے ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو علم نہیں رکھتے۔" (سورۃ التوبۃ:6)

رواداری اور غیر مذاہب کی خوبیوں کی تعریف

رسول کریمؐ کے ذریعہ رواداری کی یہ اعلیٰ تعلیم دی گئی کہ غیر مذہب یا قوم میں بھی جو خوبی یا نیکی پائی جاتی ہو اس کی قدردانی کرنی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "سارے اہل کتاب برابر نہیں ہیں ان میں سے ایک جماعت (نیکی پر) قائم ہے۔ جو راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے اور عبادت کرتے ہیں"۔ (سورۃ آل عمران:114)

اسی طرح بعض یہود و نصاریٰ کی دیانت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس ڈھیروں ڈھیر مال بھی بطور امانت رکھ دو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے مگر بعض ایسے بھی ہیں جو ایک دینار بھی واپس نہیں لوٹائیں گے۔" (سورۃ آل عمران:76)

بعض نیک فطرت خدا ترس عیسائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب وہ رسول کی طرف نازل ہونے والا کلام سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھوں میں آنسو بہتے دیکھتے ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، پس تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔" (سورۃ المائدۃ:84)

PDF Compressor Free Version

بانیان مذاہب کا احترام

بانیٔ اسلام نے رواداری کی یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مذہبی بحثوں کے دوران جوش میں آکر دوسرے مذہب کی قابل احترام ہستیوں کو برا بھلا نہ کہو۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"اور تم ان کو گالیاں نہ دو۔جن کو وہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ورنہ وہ بھی اللہ کو دشمنی کی راہ سے نادانی میں گالی دیں گے۔"(سورۃ الانعام:109)

رسول کریمؐ نے اس بنیادی حقیقت سے پردہ اُٹھا کر بانیان مذاہب کے احترام کی تعلیم دی کہ ہر قوم میں نبی آئے اور آغاز میں ہر مذہب سچائی پر قائم تھا مگر بعد میں اپنے نبی کی تعلیم سے انحراف کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوا۔تاہم اب بھی ہر مذہب میں کچھ حصہ ہدایت کا موجود ہے۔(سورۃ النحل:64)

آپؐ نے یہ تعلیم بھی دی کہ سب اقوام کے نبی مقدس اور برگزیدہ تھے،اس لئے وہ منافرت دور کرنی چاہئے جو دائرہ ہدایت کو محدود کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور باوجود مذہبی اختلاف کے دیگر اقوام و مذاہب سے اتحاد رکھنا چاہئے اور انسانیت کے ناطے ان کے ساتھ محبت و پیار کا سلوک کرنا چاہئے۔

بانیٔ اسلام کا نمونہ

اسلام دیگر مذاہب کے پیروؤں کے احساسات کا احترام سکھاتا ہے کہ خواہ وہ حق پر نہ ہوں۔مگر چونکہ وہ سچ سمجھ کر اس مذہب کو مان رہے ہیں انہیں اپنے مسلک پر قائم رہنے کا حق ہے۔مدینہ میں ایک مسلمان اور یہودی کے مابین رسول اللہؐ اور حضرت موسیٰؑ کی فضیلت کا تنازعہ کھڑا ہوا تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ مجھے موسیٰؑ پر فضیلت مت دو۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاعراف)

بانیٔ اسلام نے محض مذہبی اختلاف کی بناء پر دوسری قوم پر حملہ کرنے کی تعلیم نہیں دی۔صرف ان اقوام سے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پہل کریں۔چنانچہ فرمایا"ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں لڑائی کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔اور زیادتی نہ کرو۔اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"(سورۃ البقرہ:191)

معاہدات کی پابندی

پھر رسول کریمؐ نے غیر مذاہب اور اقوام سے معاہدات کو پورا کرنے کی تعلیم دی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"اگر کوئی غیر قوم مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کی مرتکب ہو اور وہ مسلمان تم سے مدد کے طالب ہوں اور تمہارا اس قوم کے ساتھ پہلے سے کوئی معاہدہ ہو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے اور مظلوم مسلمانوں کی خاطر بھی اس عہد شکنی کی اجازت نہیں۔"(سورۃ الانفال:73)البتہ اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں تو مسلمانوں کو جوابی کارروائی کا حق ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"اگر تمہیں کسی قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان سے ویسا ہی کرو جیسا کہ انہوں نے کیا ہے۔اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"(سورۃ الانفال:59)

پھر اسلام نے محض عدل کی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر احسان کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔(سورۃ النحل:91)اسلام غیر قوموں سے تمدنی تعلقات قائم کرنے،انصاف اور نیکی کا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتا ہے۔یہودی مذہب کی طرح یہ نہیں کہتا کہ صرف یہود سے سود نہ لو۔(استثناء:19/23)بلکہ قرآن شریف نے سود کو حرام کر کے سب کے لئے منع کر دیا اور یہ اعلیٰ درجہ کی تمدنی تعلیم دی:۔

"جن لوگوں نے دین کے بارہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا۔ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔"(الممتحنۃ:9)

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کی(مشرک)والدہ اداس ہو کر انہیں ملنے مدینہ آئیں۔اسماءؓ نے نبی کریمؐ سے پوچھا کہ کیا مجھے ان کی خدمت کرنے اور ان سے حسن سلوک کی اجازت ہے؟آپؐ نے فرمایا ہاں وہ تمہاری ماں ہے۔ابن عیینہ کہتے ہیں اسی بارہ میں یہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارہ میں جنگ نہیں کی۔(بخاری کتاب الادب باب 7)

اسلامی حکومت میں مسلمانوں پر ذمہ داریاں زیادہ اور غیر مسلموں پر نسبتاً کم ہیں۔مسلمانوں پر جہاد فرض ہے اور لڑائی کی صورت میں بہرحال اس میں شامل ہونا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔جبکہ غیر مسلموں کے لئے یہ لازم نہیں۔مسلمانوں پر پیداوار کا دسواں حصہ بطور عشر حکومت کو دینا واجب ہے۔غیر مسلموں پر یہ ذمہ داری نہیں۔اسی طرح مسلمانوں کو ہر سال اپنی آمدنی کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ اور عشر یعنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ دینا لازم ہے۔جبکہ غیر مسلموں پر جزیہ کی صورت میں معمولی ٹیکس مقرر ہوتا ہے۔

غیر مسلموں کی آزادی میں بھی اسلام نے مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں رکھی بلکہ اصولی طور پر غلاموں کی آزادی کی تعلیم دی۔نبی کریمؐ نے غزوہ حنین کے موقع پر ہزاروں غیر مسلم غلاموں کو آزاد کر کے اس کا عملی نمونہ عطا فرمایا۔

مشرکین مکہ سے حسن سلوک

مشرکین مکہ نے آنحضرتؐ کو مکہ سے جلاوطن کیا تھا اور مدینہ میں بھی چین کا سانس

PDF Compressor Free Version

نہ لینے دیا مگر آنحضرتؐ نے موقع آنے پر ہمیشہ اُن سے احسان کا سلوک ہی روا رکھا۔ اہل مکہ کو ہجرت مدینہ کے بعد ایک شدید قحط نے آگھیرا۔ یہاں تک کہ ان کو ہڈیاں اور مردار کھانے کی نوبت آئی۔ تب مجبور ہو کر ابوسفیان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اے محمدؐ! آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ آپؐ کی قوم اب ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے ہمارے حق میں دعا کریں (کہ قحط سالی دور فرمائے) اور بارشیں نازل ہوں ورنہ آپؐ کی قوم تباہ ہو جائے گی"۔

رسول اللہؐ نے ابوسفیان کو احساس دلانے کے لئے صرف اتنا کہا کہ تم بڑے دلیر اور حوصلہ والے ہو جو قریش کی نافرمانی کے باوجود ان کے حق میں دعا چاہتے ہو۔ مگر دعا کرنے سے انکار نہیں کیا کیونکہ اس رحمت مجسم کو اپنی قوم کی ہلاکت ہرگز منظور نہ تھی۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ اسی وقت آپؐ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے اور اپنے مولیٰ سے قحط سالی دور ہونے اور باران رحمت کے نزول کی یہ دعا بھی خوب مقبول ہوئی۔ اس قدر بارش ہوئی کہ قریش کی فراخی اور آرام کے دن لوٹ آئے۔ مگر ساتھ ہی وہ انکار و مخالفت میں بھی تیز ہو گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الروم والدخان) آنحضرتؐ نے اہل مکہ کی امداد کے لئے کچھ رقم کا بھی انتظام کیا اور وہ قحط زدگان کے لئے مکہ بھجوائی۔ (المبسوط للسرخسی جلد10 ص92)

مسلمانوں کے دشمن قبیلہ بنوحنیفہ کا سردار ثمامہ بن اُثال گرفتار ہو کر پیش ہوا تو رسول کریمؐ نے ازراہ احسان اسے آزاد کر دیا۔ رسول اللہؐ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ حضورؐ کی اجازت سے عمرہ کرنے مکہ گئے تو مسلمانوں کے طریق پر لبیک اللّٰھم لبیک کہنا شروع کیا تو قریش نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ تمہاری یہ جرأت کہ مسلمان ہو کر عمرہ کرنے آئے ہو۔ ثمامہ نے کہا خدا کی قسم تمہارے پاس میرے علاقہ یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔ جب تک رسول اللہؐ اجازت نہ فرمائیں۔

قریش ثمامہؓ کو قتل کرنے لگے مگر بعض سرداروں کی سفارش پر کہ یمامہ سے تمہیں غلہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ ان سے دشمنی مول نہ لو۔ چنانچہ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ ثمامہؓ نے یمامہ جا کر واقعی اہل مکہ کا غلہ روک دیا۔ یہاں تک کہ وہاں قحط پڑ گیا۔ تب قریش نے رسول اللہؐ کی خدمت میں لکھا کہ آپ تو دعویٰ کرتے ہیں کہ رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ہمارا تو غلہ تک رکوا دیا۔ رسول کریمؐ نے ثمامہؓ کو لکھا کہ قریش کے غلہ کے قافلے مکہ جانے دیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد کی، اس طرح اپنی دشمن قوم قریش پر یہ آپؐ نے ایک گراں قدر اور عظیم احسان فرمایا۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 ص175 بیروت)

دشمن قیدیوں کے ساتھ عدل

مشرکین مکہ کے جنگ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ قیدیوں کی نگرانی جب حضرت عمرؓ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے حضرت عباسؓ سمیت تمام قیدیوں کی مشکیں اچھی طرح کس دیں۔ جو مسجد نبوی کے احاطہ میں ہی تھے۔ حضرت عباسؓ تکلیف سے کراہنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ کو چچا کی تکلیف کی وجہ سے بے چینی سے نیند نہ آتی تھی۔ انصار کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا انہوں نے عباسؓ کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔ حضور کو پتہ چلا تو فرمایا کہ سب کی مشکیں ڈھیلی کر دو۔

انصار نے رسول اللہؐ کی حضرت عباسؓ سے محبت کو دیکھ کر حضورؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر عرض کیا حضور ہم عباسؓ کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔ ان کو قید سے آزاد کر دیا جائے مگر رسول کریمؐ نے اُن کی یہ پیش کش قبول نہ فرمائی اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اپنا اور اپنے بھائی عقیل، نوفل نیز اپنے حلیف عتبہ کا بھی فدیہ دیں کیونکہ آپ مالدار ہیں۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں تو مسلمان تھا مگر مشرک مجھے مجبور کر کے بدر میں لے آئے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ لیکن چونکہ آپ بظاہر دیگر قیدیوں کی طرح ہمارے خلاف جنگ کے لئے آئے تھے اس لئے فدیہ دینا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے چالیس اوقیہ فدیہ ادا کیا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری لعینی جلد18 ص116)

مشرکین کے بچوں کے قتل پر ناراضگی

مشرکین مکہ نے غزوۂ احد کے موقع پر مسلمان شہدا کی نعشوں کی بے حرمتی کی تھی اور اُن کے ناک، کان وغیرہ کاٹے گئے تھے۔ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ تک چبایا گیا۔ مگر آنحضرتؐ نے کبھی اس کا بدلہ لینے کا نہیں سوچا بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ حسن سلوک ہی کیا۔ حضرت حسن بن اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر مقتولین میں کچھ بچوں کی نعشیں بھی پائی گئیں۔ حضور کو جب پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جنہوں نے جنگجو مردوں کے ساتھ معصوم بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ مشرکوں کے بچے ہی تو تھے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا، آج تم میں سے جو بہترین لوگ ہیں وہ بھی کل مشرکوں کے بچے ہی تو تھے۔ یاد رکھو کہ کوئی بھی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو نیک فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک وہ بولنا سیکھتا ہے اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی یا

PDF Compressor Free Version

عیسائی بنا دیتے ہیں۔(مسند احمد بن حنبل جلد 4 ص 24 بیروت)
رسول کریمؐ سے پوچھا گیا مشرکوں کے بچوں کا حساب کتاب کیسے ہوگا؟ فرمایا وہ اپنے والدین کے مذہب پر شمار ہوں گے۔ عرض کیا گیا پھر تو وہ بغیر کسی عمل کے پکڑے گئے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے وہ کیا کرنے والے تھے۔(ابوداؤد کتاب السنۃ باب 18)

تعاقب کرنیوالے دشمن کو انعام

ہجرت مدینہ کے وقت قریش مکہ نے آنحضرتؐ کو گرفتار کر کے لانے والے کیلئے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا تھا۔ جس کے لالچ میں سراقہ بن مالک نے اپنے تیز رفتار گھوڑے پر رسول اللہؐ کا تعاقب کیا۔ مگر جب آپ کے قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ جب تین مرتبہ ایسا ہوا تو وہ توبہ کر کے معافی اور امان کا طالب ہوا۔ رسول کریمؐ نے اسے امان عطا کرتے ہوئے بطور انعام کسریٰ کے کنگنوں کی بشارت دی۔ فتح مکہ پر وہ مسلمان ہوا اور رسول اللہؐ کے دامن رحمت سے حصہ پایا۔ بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسریٰ کے کنگن بھی اُسے عطا کئے گئے۔ یوں آپؐ کا تعاقب کرنے والا بدخواہ بھی آپؐ کے انعام واکرام کا ہی مورد ٹھہرا۔(بخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب 55)

بیت اللہ کی حرمت اور عدل وانصاف کا قیام

احکام الٰہی کی حرمت کے ساتھ نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر حرم کا احترام و تقدس بھی بحال کیا، جو آپؐ کی بعثت کا ایک اہم مقصد تھا۔ فتح مکہ کے دوسرے دن بنوخزاعہ نے بنو ہذیل کے ایک شخص کو حرم میں قتل کر دیا۔ آپؐ اس پر سخت ناراض ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا "اے لوگو! یاد رکھو اس حرم کی عزت کو کسی انسان نے نہیں خدا نے قائم کیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خدا نے اصحاب الفیل کے حملہ سے اپنے اس گھر کو بچایا تھا اور مسلمانوں کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ کسی شخص کیلئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جائز نہیں کہ وہ اس میں خونریزی وغیرہ کرے۔ یہ حرم مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے صرف اسی وقت اور اسی لمحے لوگوں پر خدا کے غضب کے سبب حلال ہوا ہے اور اب پھر اس کی حرمت بدستور برقرار رہے گی۔ تم میں سے جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچادیں۔ جو شخص تم سے کہے کہ اللہ کے رسول نے مکہ میں جنگ کی ہے تو یاد رکھو اللہ نے اسے اپنے رسول کے لئے حلال کر دیا تھا لیکن (اے بنی خزاعہ) تمہارے لئے حلال نہیں کیا اور مجھے بھی صرف ایک گھڑی کیلئے یہ اجازت دی گئی تھی۔"(بخاری کتاب المغازی باب 44)

مکہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول کریمؐ نے عدل کی شاندار مثالیں قائم فرمائیں۔
ایک دفعہ ایک مسلمان سے ایک ذمی قتل ہو گیا۔ نبی کریمؐ نے قصاص کے طور پر مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار ہوں جو اس غیر مسلم کا حق دلواؤں اور اس کا عہد پورا کر کے دکھاؤں۔(نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ جلد 4 ص 336) اس کے بعد آپؐ نے بنوخزاعہ کے قاتلوں کو قصاص دینے یا خون بہا قبول کرنے کا پابند کیا اور یوں عملاً عدل وانصاف کو قائم فرمایا۔
فتح مکہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت فاطمہ نامی نے کچھ زیور وغیرہ چرا لئے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق چوری کی سزا اس کے ہاتھ کاٹنا ہے۔ عورت چونکہ معزز قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اس کے خاندان کو فکر ہوئی اور انہوں نے رسول اللہؐ کے بہت پیارے اور عزیز ترین فرد اسامہ بن زیدؓ سے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کروائی کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے۔ اسامہؓ نے جب رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؐ کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا اور فرمایا کیا تم اللہ کے حکموں میں سے ایک حکم کے بارہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو؟ اسامہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ شام کو نبی کریمؐ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز انسان چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔(بخاری (67) کتاب المغازی باب 49)
رسول کریمؐ فرماتے تھے کہ ایک شخص کی غلطی کے بدلے دوسرے کو سزا دینا ناجائز ہے۔ ایک دفعہ باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص پر کسی دوسرے شخص کی وجہ سے زیادتی نہ ہو اور پھر یہ آیت پڑھی لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کہ کوئی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔(ابوداؤد (40) کتاب الدیات باب 2)

مفتوح قوم کے مشرک سرداروں سے حسن سلوک

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اپنے باپ کی طرح عمر بھر رسول اللہؐ سے جنگیں کرتا رہا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول کریمؐ کے اعلان عفو وامان کے باوجود ایک دستے پر حملہ آور ہو کر حرم میں خونریزی کا باعث بنا۔ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے ہی وہ واجب القتل ٹھہرا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جان بچانے کے لئے وہ یمن کی طرف

PDF Compressor Free Version

بھاگ کھڑا ہوا۔اس کی بیوی رسول اللہؐ سے اس کے لئے معافی کی طالب ہوئی تو آپؐ نے کمال شفقت سے معاف فرمادیا۔وہ اپنے شوہر کو واپس لانے کے لئے گئی تو خود عکرمہ کو اس معافی پر یقین نہ آتا تھا۔چنانچہ اس نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق چاہی۔اس کی آمد پر رسول اللہؐ نے اس سے احسان کا حیرت انگیز سلوک کیا۔پہلے تو آپؐ دشمن قوم کے اس سردار کی عزت کی خاطر کھڑے ہو گئے پھر عکرمہ کے پوچھنے پر بتایا کہ واقعی میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔(موطاامام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ)

عکرمہ نے پوچھا کہ کیا اپنے دین (حالت شرک) پر رہتے ہوئے آپؐ نے مجھے بخش دیا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں۔اس پر مشرک عکرمہ کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھا اے محمدؐ آپؐ واقعی بے حد حلیم و کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔رسول اللہؐ کے حسن خلق اور احسان کا یہ معجزہ دیکھ کر عکرمہ مسلمان ہو گیا۔(السیرۃ الحلبیہ جلد3 ص92 داراحیاء التراث العربی بیروت)

مشرکین کا ایک اور سردار صفوان بن اُمیّہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں میں شامل تھا۔یہ بھی عمر بھر رسول اللہؐ سے جنگیں کرتا رہا۔اپنے جرائم سے نادم ہو کر فتح مکہ کے بعد بھاگ کھڑا ہوا تھا۔اس کے چچا عمیر بن وہبؓ نے رسول اللہؐ سے اس کے لئے امان چاہی۔آپؐ نے اپنا سیاہ عمامہ بطور علامتِ امان اُسے عطا فرمایا۔عمیر صفوان کو واپس مکہ لایا۔اس نے پہلے تو رسول اللہؐ سے اپنی امان کی تصدیق چاہی پھر اپنے دین پر رہتے ہوئے دو ماہ کیلئے مکہ میں رہنے کی مہلت چاہی آپؐ نے چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی۔

محاصرہ طائف سے واپسی پر رسول اللہؐ نے تالیف قلب کی خاطر اسے پہلے سو اونٹ کا انعام دیا۔پھر سو اونٹ اور پھر سو اونٹ گویا کل تین صد اونٹ عطا فرمائے۔صفوان بے اختیار کہہ اُٹھا اتنی بڑی عطا ایسی خوش دلی سے سوائے نبی کے کوئی نہیں دے سکتا۔چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گیا۔(السیرۃ الحلبیہ جلد3 ص109 بیروت)

فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف کا وفد طائف سے آیا تو نبی کریمؐ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی خاطر تواضع کا اہتمام کروایا۔بعض لوگوں نے سوال اُٹھایا کہ یہ مشرک لوگ ہیں ان کو مسجد میں نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ قرآن شریف میں مشرکین کو نجس یعنی ناپاک قرار دیا ہے۔نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اس آیت میں دل کی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے،جسموں کی ظاہری گندگی مراد نہیں۔(احکام القرآن للجصاص جلد3 ص109)

وفد ثقیف کے بعض لوگ تو مدینہ میں اپنے حلیفوں کے پاس ٹھہرے۔بنی مالک کے لئے نبی کریمؐ نے خود خیمہ لگا کر انتظام کروایا اور آپؐ روزانہ نماز عشاء کے بعد جا کر ان سے مجلس فرماتے تھے۔(ابوداؤد کتاب شہر رمضان باب9)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے رسول کریمؐ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ وفد ثقیف کو اپنا مہمان رکھنا چاہتے ہیں رسول کریمؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ان کے اکرام وعزت سے نہیں روکتا،مگر ان کی رہائش وہیں ہونی چاہئے جہاں وہ قرآن سن سکیں۔چنانچہ حضورؐ نے سب کے لئے مسجد میں خیمے لگوا دیئے تاکہ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھیں اور قرآن سنیں۔(دلائل النبوۃ للبیہقی 57)

رسول کریمؐ نے غیر حربی مشرکین سے ہمیشہ حسن معاملہ کا طریق اختیار فرمایا۔ایک دفعہ مشرک مہمان کی خود مہمان نوازی کی اور اسے سات بکریوں کا دودھ پلایا۔(ترمذی کتاب الاطعمہ)

ایک دفعہ ریشم کا لباس تحفۃً آیا تو رسول کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو دیا انہوں نے عرض کیا کہ ریشم تو مردوں کے لئے منع ہے وہ اسے کیا کریں گے؟ فرمایا کسی اور کو دے دیں۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو بطور تحفہ دے دیا۔(بخاری کتاب اللباس باب25)

ایک شریف النفس مشرک سردار مطعم بن عدی (جو غزوۂ بدر کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے) کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے اور بدر کے قیدیوں کی آزادی کے لئے سفارش کرتے تو میں ان کی خاطر تمام قیدیوں کو (بلا معاوضہ) آزاد کر دیتا۔(بخاری کتاب المغازی باب19)

غیر مذاہب کے مُردوں کا احترام

حضرت یعلیٰؓ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کے ساتھ کئی سفر کئے۔کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ نے کسی انسان کی نعش پڑی دیکھی ہو اور اسے دفن نہ کروایا ہو آپؐ نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے۔(مستدرک حاکم جلد1 ص371) چنانچہ بدر میں ہلاک ہونے والے 24 مشرک سرداروں کو بھی آپؐ نے خود میدان بدر میں ایک گڑھے میں دفن کروایا تھا۔جسے قلیب بدر کہتے ہیں۔(بخاری کتاب المغازی باب3)

الغرض نبی کریمؐ نے بحیثیت انسان غیر مسلموں کے حقوق قائم کر کے دکھلائے۔ان کے مُردوں تک کا احترام کیا۔حالانکہ وہ مسلمانوں کی نعشوں کی بے حرمتی کرتے رہے مگر آپؐ نے انتقام لینا کبھی پسند نہ کیا۔

غزوہ احزاب میں مشرکین کا ایک سردار نوفل بن عبداللہ مخزومی میدان میں آیا اور نعرہ لگایا کہ کوئی ہے جو مقابلہ میں آئے؟ حضرت زبیرؓ بن العوام مقابلہ میں نکلے اور اسے زیر کر لیا۔دریں اثناء حضرت علیؓ نے بھی نیزہ مارا اور وہ دشمن رسول خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا۔مشرکین مکہ اُحد میں رسول اللہؐ کے چچا حمزہؓ کے ناک کان کاٹ کر ان کی نعش کا مثلہ کر چکے تھے۔وہ طبعاً خائف تھے کہ ان کے سردار سے بھی ایسا بدلہ نہ لیا جائے۔انہوں نے رسول اللہؐ کو پیغام بھجوایا کہ دس ہزار درہم لے لیں اور نوفل کی

PDF Compressor Free Version

نعش واپس کر دیں، رسول کریمؐ نے فرمایا ہم مُردوں کی قیمت نہیں لیا کرتے۔ تم اپنی نعش واپس لے جاؤ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 ص 438,437)

دوسری روایت میں ہے کہ نوفل خندق عبور کرنا چاہ رہا تھا کہ اس میں گر پڑا مسلمان اس پر پتھر برسانے لگے تو مشرکین نے کہا کہ مسلمانو! اس اذیت ناک طریقے سے مارنے سے بہتر ہے کہ اسے قتل کر دو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خندق میں اتر کر اسے قتل کر دیا۔ اب اس کی نعش مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ مشرکین نے اسے باعزت دفن کرنے کے لئے نعش کی واپسی کا مطالبہ کیا اور بارہ ہزار درہم تک پیشکش کی۔ رسول کریمؐ نے فرمایا نہ تو ہمیں اس کے جسم کی ضرورت ہے نہ قیمت کی۔ ان کا مردہ انہیں واپس لوٹا دو تا کہ وہ اسے حسب منشا دفن کر سکیں۔ مردے کو فروخت کرنا کوئی قابل عزت بات نہیں پھر آپؐ نے کوئی رقم لئے بغیر وہ نعش دشمنوں کو واپس لوٹا دی۔ (ابن ہشام جلد 3 ص 273، طبری جلد 2 ص 574)

منافقین مدینہ سے حسن سلوک

ہجرت مدینہ کے بعد جن مخالف گروہوں سے رسول اللہؐ کا واسطہ پڑا، ان میں منافقین کا گروہ بھی تھا۔ ان کی ریشہ دوانیوں کے سدِّباب کیلئے حسب حکم الٰہی رسول اللہؐ اقدام فرماتے تھے، مگر بالعموم ان سے نرمی اور احسان کا سلوک ہی رہا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد وہ مسلسل نبی کریمؐ کے خلاف سازشیں کرتا رہا اور کبھی اہانت و گستاخی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، حتّٰی کہ حضرت عائشہؓ پر جھوٹا الزام لگانے کی جسارت کی۔ رسول کریمؐ نے اس دشمن کے ساتھ بھی ہمیشہ عفو و رحم کا معاملہ فرمایا، اس کی وفات پر آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے اس کی زیادتیاں یاد کروا کر روکنا چاہا۔ رسول کریمؐ نہ مانے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ قرآن شریف میں ان منافقوں کے بارہ میں ذکر ہے کہ آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو وہ بخشے نہ جائیں گے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا عمرؓ پیچھے ہٹو مجھے اس میں اختیار ہے اور میں ستر مرتبہ سے زائد اس کی بخشش کی دعا کر لوں گا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب 83)

چنانچہ آپؐ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ ادا کی اگرچہ بعد میں منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے کی ممانعت قرآن میں نازل ہوئی۔ لیکن اس شفقت اور احسان کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ میں نفاق کا خاتمہ ہو گیا۔ الغرض رسول کریمؐ ہی آزادی ضمیر و مذہب کے عظیم علمبردار تھے۔

غیروں کا اعتراف

اطالوی مستشرقہ پروفیسر ڈاکٹر وگلیری نے اسلامی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

قرآن شریف فرماتا ہے کہ اسلام میں جبر نہیں۔۔۔۔۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان خدائی احکام کی پیروی کرتے تھے اور سب مذاہب کے ساتھ عموماً اور توحید پرست مذاہب کے ساتھ خصوصاً بہت رواداری برتتے تھے۔ آپ کفار کے مقابلہ میں صبر اختیار کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے متعلق یہ ذمہ لیا کہ عیسائی ادارے محفوظ رکھے جائیں گے اور یمن کی مہم کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ کسی یہودی کو اس کے مذہب کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے۔ آپؐ کے خلفاء بھی اپنے سپہ سالاروں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ دوران جنگ میں ان کی افواج انہی ہدایات پر کاربند ہوں۔ ان فتح مند سپہ سالاروں نے مفتوح اقوام کے ساتھ معاہدات کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی پیروی کی۔ انہی معاہدات کی وجہ سے مفتوحین کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ملی۔ صرف شرط یہ تھی کہ جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ایک معمولی سا ٹیکس یعنی جزیہ ادا کریں یہ ٹیکس ان ٹیکسوں سے بہت ہلکا تھا جو خود مسلمانوں پر حکومت اسلامی کی طرف سے عائد ہوتے تھے۔ جزیے کے بدلے میں رعایا یعنی ذمی لوگ ایسے ہی مامون و مصئون ہو جاتے تھے جیسا کہ خود مسلمان۔

پھر پیغمبر اسلام اور خلفاء کے طریق کو قانون کا درجہ حاصل ہو گیا اور ہم حتماً بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے مذہبی رواداری کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ رواداری کو مذہبی قانون کا لازمی حصہ بنا دیا۔ مفتوحین کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے ان کی مذہبی آزادی میں دخل نہیں دیا اور نہ تبدیلی مذہب کے لئے کوئی سختی کی۔ (اسلام پر نظر ص 14 ترجمہ An Interpretation of Islam مترجم شیخ محمد احمد مظہر)

ایڈیٹر ستیہ اپدیشن لکھتے ہیں:۔

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا مگر ہم اُن کی اس رائے سے موافقت کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ زبردستی سے جو چیز پھیلائی جاتی ہے وہ جلدی ظالم سے واپس لے لی جاتی ہے۔ اگر اسلام کی اشاعت ظلم کے ذریعہ ہوئی ہوتی تو آج اسلام کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔ لیکن نہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام دن بدن ترقی پر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بانی اسلام کے اندر روحانی شکتی تھی۔ منش ماتر (بنی نوع انسان) کے لئے پریم تھا۔ اُس کے اندر محبت اور رحم کا پاک جذبہ کام کر رہا تھا۔ نیک خیالات اُس کی رہنمائی کرتے تھے۔ (از قلم ایڈیٹر ستیہ اپدیشن لاہور مورخہ 7/ جولائی 1915ء)

PDF Compressor Free Version

سائنس اور مذہب کا ٹکراؤ: اصل غلطی کس کی ہے؟

تحریر جان عالم خاکی

مذہب اور سائنس کے بارے میں مباحثے کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ مباحثہ کسی تکنیکی معاملے کے بارے میں نہیں بلکہ علوم کے دو جہانوں کے بارے ہے، یعنی ایک مذہبی اور دوسرا سائنسی علم۔ ان دونوں کے درمیان اصل ٹکراؤ نظریہ علم کا نظر آتا ہے، اور دونوں ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانی زندگی پر ان کا غلبہ زیادہ ہے۔

علماء عمومی طور پر اس بات پر نازاں ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا نظام ہے جس میں خدا کا عمل دخل ہے، جو سچا ہے اور جو خرابیوں اور ردوبدل سے پاک ہے۔

وہ مذہبی عقیدوں کے فہم، مفہوم اور عمل کے حوالے سے عام آدمی کے خیالات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

مذہبی رہنما سائنسی پیش رفتوں کی مخالفت کے لیے جانے جاتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ پیش رفتیں مذہبی نظریات کے منافی ہیں، کیونکہ ان سے ایمان والے بھٹک جائیں گے۔ وہ ایسا شاید مذہب کے ساتھ اپنے خلوص اور حکمت طور پر ایمان والوں کو غلط راستوں سے محفوظ رکھنے کے لیے کرتے ہوں۔

سائنس سے انکار کے لیے ان کے پاس مذہبی نوعیت کے خیالات ہوتے ہیں جو مرکزی موضوع سے ہٹ کر منطق (discursive reason) اور زیادہ تر تجربات و مشاہدات پر مبنی شواہد پر مشتمل نہیں ہوتے۔

وہ مذہبی فہم کے لیے مذاہب کی سائنسی تاریخ، سماجیات، نفسیات اور بشریات وغیرہ جیسے جدید علوم کو خاطر میں نہیں لاتے۔ رضا اسلن کی کتاب، God: a human history ایک شاندار کام ہے۔ اس کتاب میں اس بات کو موضوع بنایا گیا ہے کہ انسانی تاریخ میں مذہبی تحاریک (religious impulses) کی ارتقا کس طرح ہوئی ہے۔

دوسری طرف سائنسدان سائنس کو علوم کے ایک ایسے جہان کے طور پر دیکھتے ہیں جو زبردست حد تک انسانی منطق اور تجربے و مشاہدے کے قابل ٹھوس شواہد کی بنیاد پر کھڑا ہے۔

ان کے لیے سائنس خود اور ارتقائی عمل سے گزرتا رہتا ہے، اپنے اندر تبدیلیاں لاتا ہے اور استقرائی مشاہدات اور تجربات کے ذریعے حاصل ہونے والے ہر نئے شواہد کی پیروی کرتا ہے۔ کسی علم کو پیدا اور جانچنے کے لیے وہ یہی طریقہ کار اپناتے ہیں۔

دوسری طرف مذہبی ذہنیت سائنسی دریافتوں کی اس تغیر پذیر فطرت کو ایک کمزوری کے طور پر دیکھتی ہے، اور اپنی دائمی اور غیر تغیر پذیر 'حقیقتوں' پر نازاں ہوتی ہے۔ وہ تبدیلی پر پائیداری کو فوقیت دیتی ہے، اور یہ ذہنیت مذہبی عقائد پر مبنی ہوتی ہے۔

تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو تقریباً تمام ہی مذاہب میں سائنس اور سائنسدانوں کی بہت زیادہ مخالفت ہوتی رہی ہے۔ یہ مخالفت سائنسدانوں سے تعصبی سلوک اور تشدد کی حد تک نظر آتی ہے، کیونکہ انہیں ایسے 'گمراہ' انسانوں کے طور پر دیکھا جاتا تھا، جو مذہبی عقیدوں کی اطاعت نہ کرنے پر بضد تھے۔

ایسا اکثر اس لیے ہوتا ہے کیونکہ وہ سائنس کو پرکھنے کے لیے مذہبی نظریات پر مبنی علوم کا استعمال کرتے ہیں، یہ تو ٹھیک ایسا ہی ہے جیسے سائنسدان مذہب یا روحانیت کو اپنے تجرباتی طریقہ کار کے تحت پرکھنے لگ جائیں۔

بات اتنی سی ہے کہ مذہب اور سائنس کے درمیان مباحثہ ہمیں مشترکہ جواز تک پہنچنے ہی نہیں دیتا۔ کم از کم میرا تو یہ کہنا ہے کہ مذہب اور سائنس کے نظریہ علم کے طریقوں کو مختلف انداز میں برتا جائے کیونکہ ان دونوں کو اپنے سائنسی اور مذہبی علوم کو ثابت (methodology-طریقہ کار) اور پرکھنے (معیارِ حقیقت) کے لیے مختلف طریقے درکار ہیں۔

ہمیں اپنے تصورات و خیالات کو کم از کم اتنا ضرور بدلنا ہوگا کہ ہم ان تضادات پر جائزہ لینے کا حوصلہ پیدا کرسکیں تاکہ کسی بھی علم کو سمجھنے کے لیے ہم ایک ساتھ دونوں علوم کے دو مختلف پرکھنے کے معیارات کا استعمال کرنے کے بجائے ہر علم کو اسی کے زاویہ نظر سے دیکھیں۔

سائنس کی ہر شاخ میں ہونے والی تحقیق میں مختلف طریقہ کار اختیار کیے جاتے

PDF Compressor Free Version

ہیں۔ اسی طرح، مذہب کے اندر بھی قانون یا روحانیت، زبان یا ارکان جیسی مختلف شاخوں میں تحقیق کے لیے مختلف طریقہ کار مطلوب ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب علماء سائنس کو علمِ مذہب یا نظریے کو استعمال کرتے ہوئے پرکھتے ہیں، تب وہ وہی غلطی کررہے ہوتے ہیں جو مذہب کو سائنسی طریقہ کار کے تحت پرکھنے والے سائنسدان کررہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا، یہ ضروری ہے کہ دونوں علوم کے ساتھ مختلف انداز کا سلوک برتا جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک کو کم تر نہ سمجھیں بلکہ انسانی فلاح کے لیے ہر ایک علم میں موجود منفرد کردار کو تسلیم کریں۔

ملک کے اندر اور باہر لیکچروں کے دوران اکثر نوجوان مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ’آخر مذہب نے گزشتہ 500 برسوں کے دوران انسانی ترقی میں کون سا کردار ادا کیا ہے؟‘ دراصل وہ یہ سوال شاندار سائنسی ایجادات اور دریافتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ میں جواباً ان سے سوال کرتا ہوں کہ، ’آپ مذہب سے کیا امیدیں وابستہ کرتے ہیں؟ کیا مذہب سے تکنیکی انقلاب لانے کی توقع کرتے ہیں؟‘

دراصل یہ فطری امر ہے کہ جو کام سائنس کرتی ہے وہ دیکھا جاسکتا ہے اور اس کا مشاہدہ بھی ممکن ہے، تاہم انسان کی گہرائیوں میں مذہب کے ذریعے جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے اسے دیکھا نہیں جاسکتا۔

تاہم، اگرچہ عالیشان تہذیبی کامیابیوں کے پیچھے سائنسدانوں کا مرکزی کردار رہا ہے لیکن اس کے اندر شامل ’مذہبی‘ تحریک کو جھٹلانا ہرگز ممکن نہیں، جیسے تہذیبی فن اور شاندار تعمیرات، ادبی اور بیش قیمتی ادب و دیگر خصوصیات کے پیچھے روحانیت پر مبنی ترغیب۔

لہٰذا مذہب سے بڑے بڑے تکنیکی انقلاب لانے جیسی توقعات کرنا بالکل غلط ہے۔ مذہب کا اہم مقصد ٹیکنالوجی کو آگے لے جانا نہیں بلکہ ’روحانی انجینئرنگ‘ کرنا، تبدیلیاں لانا اور لوگوں کو پابند اخلاقیات بنانا ہے۔

مجموعی طور پر میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی مسائل کو صرف اور صرف مذہب تک محدود رہتے ہوئے حل کرنے کی خاطر ہمیں سائنسی طریقوں کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ہمیں مذہب کو اس لیے مسترد کردینا چاہیے کہ یہ سائنس کی طرح کام نہیں کرتا۔

ہمیں دونوں کو اہمیت دینی چاہیے کیونکہ انسانی تمناؤں کے دو مختلف زاویے ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے ان دونوں کی یکساں حیثیت میں ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں بیان ہے کہ، ’پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی‘، لہٰذا ہمیں مذہب اور سائنس دونوں کے بہترین پہلوؤں کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیے اور علماء حضرات مذہب اور سائنس کے درمیان پل کا کام انجام دیں۔ (بشکریہ ڈان نیوز)

پرنٹنگ پریس کی ایجاد

دنیا میں 1377ء میں پرنٹنگ پریس ایجاد ہوا، سلطان مراد سوم نے 1587ء میں ترکی میں پہلا چھاپہ خانہ لگایا شیخ الاسلام نے پرنٹنگ پریس کے خلاف فتویٰ دے دیا، بادشاہ نے منت سماجت کی تو شیخ الاسلام نے چھاپہ خانہ میں صرف یہودی اور عیسائی لٹریچر چھاپنے کی اجازت دی، شیخ الاسلام کا کہنا تھا ”یہ شیطانی مشین ہے، ہم اس مشین پر قرآن مجید اور احادیث چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتے“ یہ فتویٰ 1727ء تک 140 سال قائم دائم رہا، 1727ء میں سلطان احمد سوم کے دور میں محمد سعید نام کے ایک دانشور نے ترکش پرنٹنگ پریس سے ”اصول الحکم فی نظام الامم“ کے عنوان سے عربی کی ایک کتاب شائع کرا دی، یہ ”توہین“ علماء کرام کے لئے ناقابل برداشت تھی، کفر کے فتوے جاری ہوئے، ملک بھر میں ہنگامہ ہوا، سلطان احمد سوئم کو برطرف کردیا گیا۔

وزیر اعظم محمد ابراہیم اور نیول چیف مصطفیٰ پاشا کو ہلاک کردیا گیا اور کتاب شائع کرنے والا محمد سعید اور اسکا والد محمد فیض چلبی قبرص بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ سلطان سلیم سوئم 28 واں سلطان تھا، سلطان سلیم فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی غلطی کر بیٹھا، پرانی فوج نے علماء کرام کے ساتھ اتحاد بنایا اور سلطان سلیم سوم کو قتل کردیا، سلطان محمود دوم ترکی کا 30 واں سلطان تھا، سلطان نے ترکی میں جدید طب اور سرجری کی بنیاد رکھ دی اور مقامی سرجنوں کی تربیت کے لئے یورپ سے سرجن اور ڈاکٹر منگوالئے، علماء کرام اس توہین پر بپھر گئے اور سرجری کو غیر اسلامی قرار دے دیا، چیچک کی ویکسین ایجاد ہوئی، سلطان نے بچوں کو چیچک سے بچاؤ کے ٹیکے لگانا شروع کردیئے تو علماء نے اس ٹیکے کو کافرانہ عمل اور قدرت کے معاملات میں رکاوٹ قرار دے دیا۔

یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ان نام نہاد علماء اور جاہل مولیوں نے ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کو پیچھے رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے سو اندھا دھند ان کے پیچھے لگنے کی بجائے اپنی عقل سے کام بھی لے لیا کریں۔

PDF Compressor Free Version

کشمیر کمیٹی ایک پرانی کہانی

تحریر عبدالباسط شاہد

مسلم مفاد کا ہر ممکن طریق پر خیال رکھنا اور اسکی حفاظت کرنا حضرت فضل عمرؓ کی بنیادی ترجیحات میں شامل تھا۔ آپ کی سیرت کے نمایاں نقوش اور کارہائے نمایاں کو مختلف نام دیئے جاسکتے ہیں تاہم بہ نظر غور دیکھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے ہر کام، ہر مہم، ہر مشن، ہر سکیم میں ایک جذبہ کارفرما ہے جو خدمت اسلام کا عظیم جذبہ ہے۔ کم علمی، کم فہمی یا تعصب کی وجہ سے کوئی اس امر سے انکار کرے تو کرے مگر امر واقع یہی ہے کہ ہر موقع جہاں اسلام، بانی اسلامؐ یا قرآن مجید کے متعلق کسی نے کوئی بات کہی اسکی پر زور تردید و تصحیح کے لئے سب سے پہلے آواز بلند کرنے والی زبان حضرت امام جماعت احمدیہ کی ہوتی تھی۔

کوئی سو سال پہلے کی بات ہے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کشمیر تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں مظلوم کشمیری مسلمانوں کی حالت زار کا بچشم خود نظارہ کیا اور ملت کا یہ فدائی اس تکلیف دہ صورتحال کو تبدیل کرنے کے درپے ہو گیا۔ شملہ جو غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کا موسم گرما کا دارالحکومت تھا۔ مسلمان زعماء جمع ہوئے۔ مظلوم مسلمانوں کے حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمیں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" قائم کرنی چاہئے۔...... موجود حاظرین میں سے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا کہ اس کمیٹی کی صدارت کے لئے مرزا بشیر الدین محمود احمد ہی موزوں رہیں گے۔ ان کے پاس اس کام کو بہتر رنگ میں سرانجام دینے کے لئے تمام ضروری ذرائع اور سامان موجود ہیں اور ان کا جذبہ خدمت و ہمدردی کامیابی کا ضامن ہو گا۔ موصوف اور دیگر احباب کے اصرار پر حضور نے اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی وجہ سے معذرت کی تاہم سب اکابر مسلمانوں کے اصرار اور اس کام کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے یہ ذمہ داری اُٹھانے کی حامی بھر لی۔

کشمیر کمیٹی نے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے ہندوستان کے مسلم لیڈروں بشمول مجلس احرار اسکی دعوت دی اور بڑی تیزی اور مستعدی سے کام شروع کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں دنیا بھر کے احمدی شہد کی مکھیوں کی طرح مفوضہ کاموں میں مصروف ہو گئے تو کسی طرح غلط نہ ہو گا۔ شیخ محمد عبداللہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ کشمیر کمیٹی نے انہیں کشمیریوں کی رہنمائی کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے اپنی ناتجربہ کاری کا عذر پیش کیا تو حضرت امام جماعت احمدیہ کے ہر قسم کے سہارے اور تعاون کی یقین دہانی پر کشمیر میں کام شروع کیا گیا۔ کشمیر کمیٹی نے دامے۔ درمے۔ سخنے ہر طرح کشمیریوں کی مدد کی۔ یہاں تک کہ ریاست کی طرف سے پابندیوں اور سختیوں کے باوجود ان کے جلسوں کے پنڈال اور مقررین تک کا انتظام کیا۔ ریاست کی طرف سے مسلمان زعماء کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کئے گئے تو کمیٹی کی طرف سے وکلاء مہیا کئے گئے جو اپنے خرچ پر ریاست میں جاتے اور عدالتوں میں پیش ہونے کے علاوہ بھی دوسرے ضروری مراحل میں رہنمائی اور امداد کرتے۔ کشمیر کمیٹی کی امداد اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی کامیابیاں ریاست اور بعض انگریز حکام کو ناراض کرنے کا باعث ہوئیں تاہم کشمیر کمیٹی کے پاس بیرون ملک اور انگلستان میں کام کرنے والے کارکنوں کی سہولت موجود تھی۔ تمام مظالم اور زیادتیوں کی تفصیل دنیا بھر میں پھیلائی جاتی جس کی وجہ سے ریاست کو بعض بنیادی حقوق دینے کی طرف

PDF Compressor Free Version

توجہ ہوئی اور اس طرح کشمیر کمیٹی کی کوششیں کامیابی کا منہ دیکھنے لگیں۔ اگر وہ کام اسی طرح جاری رہتا تو یقیناً ہندوستان کی آزادی، پاکستان کے قیام کی طرح مسئلہ کشمیر بھی ہمیشہ کے لئے حل ہو جاتا۔ ان کامیابیوں اور سرگرمیوں میں روک ڈالنے کے لئے ہندو کانگریس نے مذہب کا کارڈ کھیلنے کے لیے مسلمانوں میں سے بعض کو الگ کر کے کشمیر کمیٹی کے مقابل پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ مجلس احرار کا قیام ایک کانگریسی لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد کی اشیر باد سے ہوا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے مجلس احرار کے اس زمانے کے سیکرٹری جنرل شورش کاشمیری نے اپنی کتاب اور رسالے میں بارہا بیان کیا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ مولانا آزاد جو کانگریس کے صدر تھے ان کے ایماء پر سردار پٹیل نے مجلس کی مالی امداد کی اور احرار لیڈروں نے اس رقم کی کس طرح بندر بانٹ کی۔

مجلس احرار نے مذہبی بنیاد پر کشمیر کمیٹی کی مخالفت شروع کر دی اور اس مخالفت کی وجہ سے ریاست نے کھلے ہاتھوں ان کا استقبال کیا۔ مجلس احرار کے لیڈر کشمیر جا کر کشمیری مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے مہاراجہ کے مہمان بن کر ریاست کے خرچ پر دعوتیں اڑانے اور کشمیر کمیٹی کے خلاف تقریریں کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے۔

حضور نے اتفاق و اتحاد کو سبوتاژ کرنے اور اسلامی مفاد کو نقصان پہنچانے والے اس رجحان کو دیکھ کر کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ مجلس احرار کی کوشش سے علامہ سر محمد اقبال کو جو اپنی اہلی اور مالی مشکلات کی وجہ سے بہت بیزاری کے عالم میں تھے اس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ علامہ اقبال جو اپنی شاعری اور فلسفہ کی وجہ سے بہت اچھی شہرت رکھتے تھے سیاسی میدان میں بری طرح ناکام ہوئے اور کشمیر میں جاری مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ساری سرگرمیاں ختم ہو گئیں اور کشمیر کمیٹی ختم ہو گئی۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی کے سراب میں کھو گئے۔ نیم دلی بلکہ بددلی سے کی گئی کوششیں ناکام ہوتی رہیں۔ تاریخ کا ستم ہے کہ صدر ایوب کے وقت میں کشمیر کی آزادی کا کام پاکستان کے مایہ ناز سپوت اختر حسین ملک کی سربراہی میں حیران کن حد تک تیزی سے آگے بڑھا یہاں تک کہ سرینگر میں افراتفری اور پریشانی کی صورت پیدا ہو گئی مگر عین اس وقت جب منزل سامنے نظر آ رہی تھی جنرل اختر حسین کا تبادلہ کر دیا گیا اور ان کی جگہ جنرل یحییٰ کو مل گئی۔ اور جیتی ہوئی بازی ہار دی گئی۔ اس عسکری تاریخ کے عجیب واقع کے پس منظر کو جاننے اور بیان کرنے کے لئے اور اسے تعصب کی اندھیری کھائیوں میں سے نکالنے کے لئے تاریخ کو ابھی نجانے کتنا اور انتظار کرنا پڑے گا۔

ذاتی مفاد اور مصلحت کی سیاست نے یہ مذاق بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پارلیمنٹ کی کشمیر کمیٹی کی صدارت مولانا فضل الرحمان صاحب کے سپرد کر دی گئی اور اس طرح یہ مسئلہ اپنے ہاتھوں سے دبا دیا گیا۔ مولانا موصوف کے بزرگوں کا یہ قول کہ "ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہ تھے" کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ریاستوں کے مسائل نے سر اٹھایا تو امام جماعت احمدیہ نے یہ مشورہ دیا کہ ریاست حیدر آباد اور ریاست کشمیر کا فیصلہ ایک ساتھ کیا جائے۔ اگر اس مشورہ پر توجہ دی جاتی تو یقینی طور پر کشمیر پاکستان کے ساتھ شامل ہوتا اور وہ مظالم اور خونریزی نہ ہوتی جو اب تک ہو رہی ہے۔

یہاں یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ کشمیر میں اپنی زیادتی اور ظلم کے باوجود پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان نے اقوام متحدہ میں اپنے بہترین وکلاء کی مدد سے بطور مدعی مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں اٹھایا۔ قائد اعظم نے اپنے معتمد ساتھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت چوہدری صاحب کی مخلصانہ کوششوں، مدلل و پر مغز تقریروں اور حق و صداقت پر مبنی موقف کو اقوام متحدہ میں ایسی پذیرائی ملی کہ مدعی کی استدعا پر سماعت ملتوی ہو گئی۔ "تحدیث نعمت" میں اس کیس کی تفصیل موجود ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب بھی مسئلہ کشمیر کا ذکر آتا ہے تو اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کا بھی ضرور ذکر آتا ہے جو حضرت چوہدری صاحب کے پرزور استدلال کی بنیاد پر پیش اور پاس ہوئی تھیں مگر حضرت چوہدری صاحب کے ذکر سے مکمل احتراز کیا جاتا ہے۔

پچھلے دنوں پاکستان کے وزیر خارجہ مسئلہ کشمیر پر بیان دے رہے تھے اور اس ذکر پر کہ وزیر اعظم ہندوستان نے کشمیریوں کو حق خود ارادی دینے کا وعدہ کیا تھا اور کم از کم چودہ دفعہ اپنی تقریروں اور بیانات میں PLEBISCITE کا لفظ استعمال کیا تھا۔ ان سطور کے پڑھنے والوں کو یہ بات بہت عجیب لگے گی کہ چودہ کا یہ ہندسہ حضرت چوہدری صاحب نے اقوام متحدہ میں اس وقت استعمال کیا تھا جب ہندوستان کے نمائندے نے کہا تھا کہ وزیر اعظم ہندوستان نے حق خود ارادی دینے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اس کے جواب میں پنڈت نہرو کے چودہ بیانات پیش کئے گئے تھے۔

حضرت چوہدری صاحب نے بڑی طاقتوں کے ردعمل اور پنڈت جواہر لال نہرو کی کذب بیانیوں کی وجہ سے حکومت پاکستان کو اسی زمانے میں بتایا تھا کہ کشمیر کا

PDF Compressor Free Version

مسئلہ کشمیر میں ہی حل ہوگا۔اور آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے قیام اور مسئلہ کشمیر پیدا ہونے پر بعض کشمیری لیڈر نواب لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان سے ملے اور اس مسئلہ پر رہنمائی کے طالب ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ رتن باغ میں مرزا محمود سے ملیں۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت مرزا محمود احمد کی رہنمائی اور کوشش سے "آزاد کشمیر" وجود میں آیا۔

راولپنڈی میں آج بھی ایک وکیل صاحب کے دفتر میں وہ ٹائپ رائٹر پڑا ہوگا جس کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ یہ وہ مشین ہے جو مرزا محمود نے ہمیں دی تھی اور جس پر غلام نبی گلکار نے انور کاشمیری کے نام سے وہ بیان ٹائپ کیا تھا جو ریڈیو پر آزاد کشمیر حکومت کے قیام پر پڑھا گیا تھا۔حضرت امام جماعت احمدیہ کا یہ کارنامہ بتاتا ہے کہ مسئلہ کشمیر جب بھی حل ہوگا تو "آزاد کشمیر" ہی کی شکل میں حل ہوگا۔

کاش ہمیں ایسا مخلص رہنما مل جائے جو اس انسانی مسئلہ کو حل کرنے میں اپنے مفاد کی بجائے قومی مفاد کو ترجیح دیتا ہو اور واقعی ظلم و زیادتی کا قلع قمع کرنا چاہتا ہو۔

عورت کی قدر کرو

عورت اگر پرندے کی صورت میں خلق ہوتی تو ضرور "مورنی" ہوتی اگر چوپائے کی صورت میں خلق کی جاتی تو ضرور "ہرنی ہوتی اگر کیڑے مکوڑے کی صورت میں خلق کی جاتی تو ضرور "تتلی ہوتی...

لیکن وہ انسان خلق ہوئی تاکہ ماں، بہن اور عشق (بیوی) بنے۔

عورت اتنی بڑی اشرف المخلوقات خدا میں سے ہے، اس حد تک نازک مزاج کہ اک پھول اسے راضی اور خوش کر دیتا ہے، اور اک لفظ اسے مار دیتا ہے۔

تو بس اے بھائیو خیال رکھو! عورت تمہارے دل کے نزدیک بنائی گئی ہے تاکہ تم اپنے دل میں اسکو جگہ دو...!!!

تعجب آور ہے کہ عورت اپنے بچپنے میں اپنے باپ کے لیے برکت کے دروازے کھولتی ہے، اپنی جوانی میں اپنے شوہر کا ایمان کامل کرتی ہے اور جب ماں بنتی ہے تو جنت اسکے قدموں تلے ہوتی ہے۔

کشمیر میں سکیورٹی فورس کے کمانڈر کی خودکشی

انڈیا کے زیر انتظام کشمیر میں تعینات نیم فوجی دستے سینٹرل ریزرو پیرا ملٹری فورس کے ایک اسسٹنٹ کمانڈر نے اپنے ہی پستول سے خودکشی کر لی۔

انڈیا کے سرکاری خبر رساں ادارے پی ٹی آئی نے حکام کے حوالے سے خبر دی ہے کہ 33 سالہ ایم اروند جن کا تعلق سی آر پی ایف کی 40ویں بٹالین سے تھا وہ جمعے کی صبح اننت ناگ کے علاقے صدر میں واقع اپنی رہائش گاہ پر مردہ حالت میں پائے گئے۔

حکام کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے سرکاری پستول سے خود کو گولی ماری تھی۔

اروند سی آر پی ایف میں سنہ 2014 میں براہ راست بھرتی کے ذریعے شامل ہوئے تھے اور اسی ماہ چودہ اگست کو چھٹی کے بعد دوبارہ جوائن کیا تھا۔

ان کی شریک حیات بیس اگست کو اننت ناگ پہنچیں تھیں۔حکام کے مطابق اروند نے خودکشی کسی خاندانی جھگڑے کی بنا پر کی ہے۔

سی آر پی ایف کے ایک اہلکار نے کہا کہ ابتدائی تحقیقات کے مطابق اس خودکشی کا محرک کوئی خاندان جھگڑا تھا۔انھوں نے سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر چلنے والی ان خبروں کی تردید کی کہ سی آر پی ایک کمانڈر نے نامناسب حالت کار، اور ناکافی سہولیات سے تنگ آکر اپنی جان لے لی۔

انھوں نے کہا کہ اس بات کے کوئی شواہد نہیں ملے ہیں۔ماضی میں بھی کشمیر میں تعینات پولیس اور فوجی اہلکار کی خودکشیوں کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔

ضروری ادارتی نوٹ

نوٹ فرمالیں ادارتی نوٹ مضمون کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے مصنف کی رائے، خیال، اپنا ہوتا ہے ضروری نہیں مصنف سے ادارہ متفق ہو اسی لئے بعض مضامین پر ادارتی نوٹ دیا جاتا ہے اور ایڈٹ بھی کیا جاتا ہے علاوہ ازیں یہ بھی نوٹ فرمالیں آن لائن ویب سائٹ اور رسالے میں شائع شدہ مواد کاپی رائٹ ہیں۔بلا اجازت آرٹیکل شائع کرنا کاپی رائٹس قوانین کی خلاف ورزی اور جرم ہے کچھ احباب ایسا کر رہے ہیں انکو متنبہ کیا جا رہا ہے۔

PDF Compressor Free Version

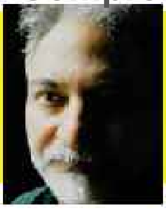

ہٹلر تو ہم بھی ہیں

تحریر طارق احمد مرزا

پہلے سے واضح کردوں کہ یہ تحریر نہ کسی کی مخالفت میں ہے اور نہ ہی کسی کی وکالت میں۔ محض حقائق کو پیش کرنا مقصود ہے۔ کچھ ایسے تلخ حقائق جنہیں لاعلمی، کمزور یادداشت یا تعصب کی آنکھ دیکھ نہیں پاتی۔

جیسا کہ اب دنیا کا بچہ بچہ جان چکا ہے کشمیریوں پر بھارتی حکومت نے ایک صدارتی فرمان کے ذریعہ، جسے بڑی عجلت میں وہاں کی مقننہ نے بھی منظور کرلیا، ایک ایسی قیامت برپا کردی ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کا دعویٰ ہے کہ اس اقدام سے کشمیریوں کا بھلا ہوگا۔ راحت اور وکاس ملے گی۔ انہیں وہی حقوق مل جائیں گے جو ملک کے باقی شہریوں کو شروع دن سے ملے ہوئے تھے اور وہ ان سے محروم چلے آرہے تھے۔ اب کشمیری سکھ کا سانس لیں گے، باعزت زندگی گزاریں گے۔ وادی میں خوشحالی اور امن کا ایک نیا دور شروع ہوجائے گا وغیرہ۔

توقع تھی کہ نریندر مودی اس اعلان کے بعد ملکی اور عالمی میڈیا سمیت کشمیر کے مختلف شہروں کی گلیوں کا پیدل دورہ کرتے، کشمیریوں کو خوشی سے جشن مناتے، استقبالیہ بھنگڑے ڈالتا دیکھتے، کشمیری بچے لاڈ سے ان کی ٹانگوں سے لپٹ لپٹ جاتے، بزرگ کشمیری عورتیں ان کے سر پہ ہاتھ رکھ رکھ کر ان کی بلائیں لیتیں اور کشمیری مرد چارپائی پہ بٹھا کر ان کی مٹھی چاپی کرتے۔ شوخ و چنچل کشمیری لڑکیاں ان کی خدمت میں کشمیری چائے اور گھر کی بنی نان خطائیاں پیش کرتیں۔

لیکن یہ کیا کہ کشمیریوں کی مبینہ راحت اور وکاس کے اس "نادر" اور "تاریخی" منصوبہ کے اعلان سے پہلے کشمیر بھر میں ناکہ بندی کردی گئی، کرفیو لگا دیا گیا، بازار دکانیں سب بند کردیے گئے، مسجدوں میں نماز پڑھنے سے بھی روک دیا گیا۔ سکول کالج بند ہو گئے۔ شادیاں منگنیاں، نکاح رک گئے۔ انٹرنیٹ، ٹی وی چینل، ٹیلیفون بند کردیے گئے حتیٰ کہ گلی محلوں میں بچوں کی کھیل کود بھی بند ہوگئی۔

کیا راحت اور وکاس کی خوش خبریاں یوں سنائی جاتی ہیں؟۔ کیا شہری حقوق شہریوں کا جینا حرام کرکے بحال کیے جاتے ہیں؟۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستانی وزیراعظم جناب عمران خان اور انصافی حکومت کے دیگر وزرا بیقرار ہو کر بجا طور پر پکار اٹھے کہ کشمیریوں کو ان کے گھروں میں نظربند کرنا، ان پر اشیاء خورد و نوش خریدنے کی پابندی، مسجدوں میں نماز پڑھنے کی پابندی، کھیلنے کودنے پر پابندی نازی ازم ہے۔ یہ کام تو ہٹلر کرتا تھا۔ یہ تو کشمیریوں کی نسل کشی ہے۔ مودی اس دور کا ہٹلر ہے وغیرہ۔

بالکل درست ہے۔ لیکن یہ سب کچھ پڑھ اور سن کر یاد آیا کہ اگر یہ سارے کام کرنے والا ہٹلر کہلاتا ہے تو یہ سارے کام تو خود ہم نے بھی کیئے ہیں اور بدستور کر رہے ہیں تو پھر ہم بھی ہٹلر ہی ہوئے۔

قارئین میں سے بہت سے اس حقیقت سے پہلے ہی بخوبی واقف ہوں گے، لیکن بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن کے لئے یہ خوفناک حقیقت ایک بار، بلکہ بار بار دہرانے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں ایک بار پھر واضح کرتا چلوں کہ یہ تحریر نہ تو کسی کی مخالفت میں ہے اور نہ ہی کسی کی وکالت میں، محض حقائق کو پیش کرنا مقصود ہے۔

یہ کوئی ازمنہ اولیٰ یا وسطیٰ کی نہیں کل ہی کی بات ہے ہمارا ایک حاضر سروس چیف آف آرمی سٹاف اور کمانڈر انچیف آف پاکستان آرمڈ فورسز سربراہ مملکت کی حیثیت میں فخریہ طور پر اعلان کر رہا تھا کہ پاکستان کی ایک غیر مسلم قرار دی گئی اقلیت کینسر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ کہ اس نے اس کینسر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ اس پر اس کے اس وقت کے کیا فوجی اور کیا غیر فوجی، سبھی رفقا بھی اسے داد دیتے رہے اور ان کے سیاسی جانشین بھی، جنھوں نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے مشن کو آگے بڑھانے کا عہد کیا تھا، اب تک داد دیتے چلے آرہے ہیں۔

کیا کسی اقلیت کے عقیدہ، مسلک یا نظریہ کو ریاستی سربراہ کی حیثیت سے کینسر قرار دینا اور اس کے مشن کو آگے چلانا نازی ازم نہیں۔ ہٹلر کی وجہ بدنامی اور کیا ہے؟۔ ملک کی ایک مذہبی اقلیت کو کینسر قرار دینا۔

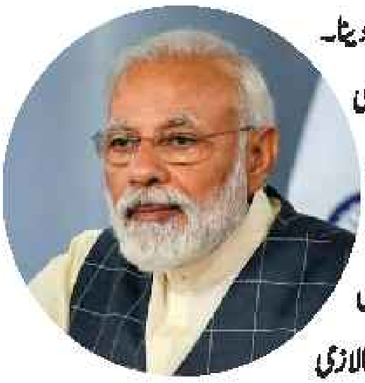

اسی مخصوص اقلیت کے خلاف ملک کی درسی کتابوں میں زہر شامل کیا گیا۔ دستاویزات کے حصول، حتیٰ کہ سکول کالجوں میں داخلہ کے بھی ایسے حلف نامے تیار کیے گئے جس میں اس اقلیتی جماعت کے بانی کو گالی دینا لازمی

PDF Compressor Free Version

قرار دیا گیا۔ایسا کام تو نہ مودی نے کیا ہے اور نہ ہٹلر نے کیا تھا جو ہم نے کر دکھایا ہے۔آج اگر مودی بھارتی ہندوؤں کے لئے یہ لازمی قرار دے دے کہ انہیں اپنے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ کے حصول کی خاطر کسی بھارتی مذہبی اقلیت کے روحانی پیشوا کو گالی دینا لازم ہوگا تو ہمارا کیا ردعمل ہوگا؟۔لیکن یہ ہم ہی ہیں جنہوں نے مونچھ مروڑ کر یہ بدبودار نوالہ بھرا اور پوری پاکستانی قوم ڈکار لئے بغیر اسے ہضم بھی کر گئی۔

واضح رہے کہ یہ تحریر نہ تو کسی کی مخالفت میں ہے اور نہ کسی کی وکالت میں۔محض اور محض تاریخی اور زمینی حقائق پیش کئے جا رہے ہیں۔

اس پاکستانی مذہبی اقلیت کی مرکزی انجمن نے پرائیویٹ طور پر زمین خرید کر ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا۔پاکستانی ہٹلروں نے اس شہر کا نام جو اس اقلیت نے اپنی پسند اور اتفاق رائے سے رکھا تھا اسے زبردستی تبدیل کر دیا۔یہ نام نہ تو فحش تھا، نہ ذو معنی، نہ توہین آمیز، یہ نام چونکہ عربی زبان میں تھا اور قرآن مجید میں آیا تھا اس لئے پاکستانی ہٹلروں کو پسند نہ تھا۔ابو جہل اور اس کے رفقا کو بھی قرآن کے ایک ایک لفظ سے نفرت تھی۔پاکستانی ہٹلروں کو بھی اس قرآنی لفظ سے چڑ تھی، انہوں نے اس شہر کے بس سٹاپ پر لگے بورڈ پر لکھے اس قرآنی لفظ پر انتظامیہ کی منظوری سے سیاہی پھروا کر سکون حاصل کیا۔

وزیراعظم عمران خان نے بڑے دکھ اور درد کے ساتھ بتایا ہے کہ آر ایس ایس کے غنڈے کشمیر میں بھجوا دئے گئے ہیں اور وہ وہاں دندناتے پھر رہے ہیں۔بالکل درست، اور اسی طرح یہ بھی بالکل درست ہے کہ پاکستان میں سرکاری سرپرستی میں مذہبی شدت پسند اس اقلیتی آبادی والے شہر میں داخل ہو کر گزشتہ کتنی ہی دہائیوں سے اس اقلیتی آبادی کے گلی کوچوں میں جلوس نکالتے، دندناتے ہوئے فحش نعرے لگاتے، ساری ساری رات انتہائی بلند آواز سے ریکارڈ ڈ مغلظات فل والیوم میں لاؤڈ سپیکروں سے سنواتے ہیں۔کشمیر میں آر ایس ایس کی غنڈہ گردی کی طرح پاکستان میں اس مذہبی شدت گردی کو بھی سرکاری سرپرستی حاصل ہے جس نے خوف و ہراس کی فضا قائم کر کے اس پاکستانی مذہبی اقلیت کی نیندیں تو کیا، جینا حرام کر رکھا ہے۔

اس پاکستانی اقلیت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بلکہ مائیکرو سیکنڈ تک پاکستان کے ہٹلروں نے ایک عذاب میں بدل ڈالنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔آج ہم پاکستانی فریاد کر رہے ہیں کہ ہٹلر ثانی مودی نے کشمیر کو نازی طرز کے کنسنٹریشن کیمپ میں بدل دیا ہے، بالکل درست ہے لیکن کیا حقائق یہ ثابت نہیں کرتے کہ ہٹلر ثانی ہم ہیں، مودی تو ہٹلر ثالث ہے۔

مودی نے تو صرف وادی کشمیر کو ایک کنسنٹریشن کیمپ میں بدل ڈالا اور ہم نے پورے ملک کو۔ہمارے ہاں کبھی تو زندہ جلائی گئی مذہبی اقلیتوں کی جلی ہوئی لاشیں ملتی ہیں تو کبھی قومی اور لسانی اقلیتوں کی مسخ شدہ لاشیں۔یہ موضوع بجائے خود ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے، اس پر بہت کچھ لکھا بھی جا چکا ہے۔لہٰذا بات صرف ہندوستان اور پاکستان میں مذہبی اقلیت کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک تک محدود رکھوں گا۔

ایک بار پھر واضح رہے کہ یہ تحریر نہ تو کسی کی مخالفت میں ہے اور نہ کسی کی وکالت میں۔محض اور محض تاریخی اور زمینی حقائق پیش کئے جا رہے ہیں۔نہ ہی کسی کے مخصوص مذہبی عقائد یا نظریات سے کوئی بحث ہے بلکہ صرف مذہبی اقلیتوں کے بنیادی انسانی اور شہری حقوق کے حوالے سے بات کی جا رہی ہے۔جس طرح مسلمان کشمیریوں کے حقوق کی بات کی جا رہی ہے۔

مودی نے کشمیر میں کرفیو نافذ کیا اور محض چند گھنٹوں کی چھوٹ دی تا کہ کشمیری مسلمان عیدالاضحیٰ منا سکیں، جو قربانی کر سکتے ہیں وہ قربانی کر سکیں۔لیکن خوف و ہراس کی فضا میں بچے اور فیملیاں عید کیسے منا سکتے ہیں۔نازی ازم کی حد مکا دی مودی نے۔

لیکن ہم نے تو مودی کے نازی ازم بلکہ ہٹلر کے نازی ازم کا بھی ریکارڈ توڑا ہوا ہے۔ہمارا نام نہاد لبرل یا ترقی پسند اور انسان دوست صحافی اور دانشور بھی کیا اور ہمارا سرکاری اور غیر سرکاری میڈیا بشمول سوشل میڈیا بھی کیا، اس شرمناک حقیقت سے نہ تو واقف ہے نہ واقف ہونا چاہتا ہے اور نہ ہی واقف ہو جانے پر اس پر احتجاج کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کی پولیس نے ایک پورے شہر کی تمام آبادی (بشمول نومولود بچگان اور بستر نشین، صاحب فراش، نیم بیہوش یا قریب المرگ باشندگان سمیت) کے خلاف محض اس لئے ایف آئی آر درج کی ہوئی ہے (اور دم تحریر واپس نہیں لی) کہ وہ ایک دن مل جل کر آپس میں خوشیاں منانا چاہتے تھے۔ایک ایسے دن جو ان کے مطابق ان کی اجتماعی خوشی کا دن تھا۔جی ہاں پورے شہر کی پوری آبادی پر اکٹھا پرچہ تو خود ہٹلر نے بھی نہیں کٹوایا تھا۔ایسا تو فرعون نے بھی نہیں کیا تھا۔نمرود کو بھی ایسی کبھی نہیں سوجھی تھی۔مودی تو کل کا بچہ ہے، ہم تو اس کے باپ کے بھی باپ ہیں۔

اسی طرح اس پوری اقلیتی آبادی پر کتنے ہی سالوں سے ان کی "عیدین" پر پابندی عائد ہو چکی ہے۔انہیں قانوناً زبردستی غیر مسلم قرار دے دیا گیا، ٹھیک ہے اس قانون کو مان لیا لیکن ان کو تو سنت ابراہیمی پر عمل کرنے سے بھی ہم نے روک دیا ہے۔ہم دنیا بھر کے مذاہب کے ٹھیکیدار جو ہوئے۔مودی نے تو پھر بھی سنت ابراہیمی پر عمل کرنے کیلئے اپنی اقلیت کو چند گھنٹوں کی چھوٹ دے دی تھی ہم نے تو کئی دہائیوں سے نہیں دی۔

اسی پر بس نہیں اس شہر کی پوری آبادی کے تمام بچوں پر یہ پابندی بھی گزشتہ کئی

PDF Compressor Free Version

دھائیوں سے عائد ہے کہ وہ سال میں ایک بار بھی اکٹھے ہو کر کھیلوں کے مقابلوں میں شرکت نہیں کر سکتے۔ کھیلوں کے سالانہ ٹورنامنٹ بھی منعقد نہیں کر سکتے۔ عمران خان تم دن رات ریاست مدینہ ریاست مدینہ اور کشمیر کشمیر کشمیر کی رٹ ضرور لگاؤ لیکن پہلے اپنی اس پاکستانی مذہبی اقلیت کے ننھے منے بچوں کو ان کے سالانہ اجتماعات میں خوشیاں منانے اور سال میں ایک بار کھیل کود کرنے کی اجازت تو دو۔

اسی طرح کشمیریوں کی نسل کشی کی بات کی جارہی ہے۔ ہم نے تو مذکورہ پاکستانی اقلیت کے مسلمہ شعائر اور عقائد کے مطابق ان کے نکاح پڑھنے پڑھانے پر بھی قانوناً پابندی لگائی ہوئی ہے تو "ٹارگٹڈ جینو سائڈ" ہم بھی تو کر رہے ہیں۔ ایک مکروہ اور قابل مذمت بلکہ قابل لعنت کام ہمارے لئے جائز تو دوسروں کے لئے ناجائز کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام چشم فلک نے اس ملک خداداد میں اس پاکستانی اقلیت کی قبریں مسمار ہوتی بھی دیکھیں بلکہ ان کے دفن شدہ مردے تک قبر سے نکال کر سڑک پہ پھینکے گئے دیکھے۔ ان کے باپوں کو ان کے بچوں کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے بچوں کو ان کے باپوں کی آنکھوں کے سامنے درندگی سے ذبح کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو ان کے گھروں کے اندر زندہ جلایا گیا۔ ان کو ہجومی تشدد کے ذریعہ قتل کر کے ان کی نعشوں کا ایسا مثلہ کیا گیا کہ وہ شناخت کے قابل بھی نہ رہیں۔ ہٹلر کے پیروکاروں نے اس پاکستانی مذہبی اقلیت کے مویشیوں تک کو زندہ جلا دینے سے دریغ نہیں کیا۔ اس معاملہ میں مودی ہماری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس پاکستانی مذہبی اقلیت کا معاملہ تو اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل میں بھی نہیں لے جایا جا سکتا۔ آج دنیا میں ان کی سلامتی کی ضمانت دینے والا کوئی فرد واحد بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ وہ اپنے خدا کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے، نہ ہی کرتے ہیں۔

اگر دنیا کے کسی ملک سے، کسی گوشے سے، اس اقلیت کے بنیادی انسانی حقوق کی بحالی کی بات کی جاتی ہے تو ہمارے حکمران اسے "پاکستان کا اندرونی معاملہ" قرار دیتے ایک سیکنڈ بھی نہیں لگاتے۔ یہی حال دیگر مذہبی اقلیتوں کے حوالے سے بھی ہے۔ لیکن ان کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ دیگر مذہبی اقلیتوں کو ان کے اپنے مذہبی عقائد اور شعائر کے استعمال سے قانوناً نہیں روکا گیا، صرف اور صرف اسی اقلیت کو روکا گیا ہے۔ اس کا اعتراف سابق صوبائی وزیر قانون جناب رانا ثناء اللہ نے ایک ٹی وی انٹرویو میں بھی کیا تھا۔

یہ سب کچھ ہم کر رہے ہیں اس اقلیت کے ساتھ جو اس ملک کے اتنے ہی شہری ہیں جتنا کوئی اور۔ ایک ایسی اقلیت کے ساتھ جس نے اس ملک کو پہلا وزیر خارجہ دیا۔ وہی اقلیت جس نے اس ملک کو پہلا نوبل انعام یافتہ پاکستانی دیا۔ جس نے ایک وزیر خزانہ دیا، قائم مقام صدر دیا۔ پاک فضائیہ کا ایک سربراہ دیا، سنہ 65 کی جنگ میں شجاعتوں کے بے مثال کارنامے دکھانے والے متعدد فوجی افسر اور جوان دیئے، اس ملک کے دفاع میں اپنی جان کی قربانی دینے والا پہلا (اور اب تک واحد) پاکستانی جرنیل دیا۔

پھر یہ بھی نہ بھولیئے کہ یہ آج کے پاکستان کی اسی دھتکاری ہوئی کمیونٹی کا ایک سربراہ ہی تھا جس نے اس وقت کشمیری مسلمانوں کی دادرسی کی خاطر تاریخ میں پہلی بار آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی داغ بیل ڈالی تھی جب باقی مسلمان لیڈروں کو اس طرف کا ہوش ہی نہیں تھا۔ یہ زمانہ سنہ تیس کی دہائی کا ہے جب راجہ ہری سنگھ کشمیری مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہا تھا۔ اس کمیونٹی کے سربراہ نے علامہ اقبال سمیت ہندوستان کے سرکردہ مسلمان دانشوروں اور رہنماؤں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کشمیر کمیٹی میں شامل ہو کر کشمیری مسلمانوں کی دامے درمے سخنے اخلاقی اور قومی مدد کریں، انہیں یتیمی کا احساس نہ ہونے دیں۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا پہلا بانی صدر بھی آپ ہی منتخب ہوئے۔

اور پھر یہی اقلیتی کمیونٹی تھی جس نے کشمیر فرنٹ پر پاکستانی فوجوں کو کمک اور بیک اپ فراہم کرنے کی خاطر اپنے جوانوں پر مشتمل "فرقان فورس" تیار کر کے دی، ایک ایسے وقت میں جب اس کمیونٹی کے اشد مخالفین جہاد کشمیر کو حرام اور ناجائز قرار دینے کے فتاویٰ جاری کرنے میں مصروف تھے۔

لیکن ہمارے وزراء، سیاستدان، ممبران پارلیمنٹ، حکمران، علماء، اساتذہ (اس لئے کہ وہ یہی نصاب پڑھاتے ہیں) حتیٰ کہ بعض صحافی اور ٹی وی اینکر تک روزانہ کی بنیاد پر انہیں یہودی ایجنٹ بلکہ یہودیوں سے بدتر قرار دیتے نہیں تھکتے۔

پاکستان بھر کے بازاروں میں چھوٹی چھوٹی دکانوں تک پر ان کے لئے "داخلہ بند ہے" کے پوسٹر اور سٹکر لگے نظر آتے ہیں۔ اس طرح کی ہر دکان میں ایک عدد پاکستانی ہٹلر بیٹھا نظر آئے گا۔ تو بتایئے ہندوستان نے آج تک کتنے ہٹلر پیدا کئے ہیں اور ہم نے کتنے۔ ہم تو ہٹلر ساز ہیں۔ بلکہ تھوک کی تعداد میں انہیں ایکسپورٹ بھی کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں آپ کو یہ پاکستانی ہٹلر مذہبی منافرت اور تشدد کا پرچار کرتے نظر آئیں گے۔

جن قارئین کی یادداشت کمزور ہے ان کی خدمت میں آخر پر ایک بار پھر عرض کرتا چلوں کہ یہ تحریر نہ تو کسی کی مخالفت میں ہے اور نہ کسی کی وکالت میں۔ محض اور محض تاریخی اور زمینی حقائق پیش کیئے ہیں۔ کوئی رائے، کوئی فیصلہ یا فتویٰ دینے کی ضرورت نہیں۔ پہلے ہی بہت سے فیصلے ہو چکے ہیں!۔ اگر کسی فیصلہ کی گنجائش باقی ہے بھی تو وہ تاریخ کا فیصلہ ہی ہوگا، میرا یا آپ کا نہیں۔

ادارتی نوٹ: اقلیت عام پاکستانیوں کے محاورہ کے مطابق لکھا گیا ہے کیونکہ "ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین"

PDF Compressor Free Version

رفعت عباس: سرائیکی ادب کا تابندہ ستارہ

تحریر ڈاکٹر شاہد صدیقی

اس روز حبس کا عالم تھا۔ دن ڈھل چکا تھا لیکن میں حسبِ معمول آفس میں بیٹھا تھا۔ میں نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ سربلند درخت چپ چاپ کھڑے تھے۔ ہوا بند تھی اور پتوں میں ہلکی سی لرزش بھی نہیں تھی۔ گاؤں میں جب اس طرح کا منظر ہوتا تو بڑے بوڑھے کہتے تھے: آج بارش ضرور ہوگی۔ اور پھر ایسا ہی ہوتا۔ اچانک گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی۔ میں انہیں خیالوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو یارِ عزیز رؤف کلاسرا تھا، ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا۔ آتے ہی کہنے لگا: آج بارش ضرور ہوگی۔ میں ہنس پڑا، معلوم نہیں اس نے میرے دل کی بات کیسے جان لی تھی۔ رؤف کلاسرا سے ہر ملاقات میں کتابوں، فلموں، گیتوں کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو نئی کتابوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔ فلموں کے بارے میں تو میں اسے اتھارٹی مانتا ہوں۔ اس روز شاعری پر بات چل نکلی تو وہ کہنے لگا: مجھے شعر یاد نہیں رہتے لیکن ظفر اقبال اور رفعت عباس کے کچھ اشعار آج بھی یاد ہیں۔ ظفر اقبال بلاشبہ موجودہ عہد کے اردو غزل کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ پھر اس نے رفعت عباس کا ایک شعر سنایا:

کیویں ساکوں یاد نہ رہسی اوندے گھر دا رستہ
ڈو تاں سارے جنگل آسن ترے تے سارے دریا

(ہمیں اس کے گھر کا رستہ کیسے یاد نہیں رہے گا راستے میں فقط دو ہی تو جنگل آتے اور صرف تین دریا) یہ شعر سن کر میں چونک اٹھا۔ رؤف نے بتایا کہ رفعت سرائیکی زبان کا ایک اہم شاعر ہے۔ اس نے رفعت کے ایک شاعری مجموعے "پڑ چھیاں اُتے پھُل" کا ذکر کیا۔ کتابوں کے بارے میں میرا عالم یہ ہے کہ جب بھی کسی اچھی کتاب کے بارے میں سنوں یا پڑھوں تو پھر جب تک کتاب حاصل نہ کر لوں چین نہیں آتا۔ اس شعر کے بعد ہم نے اور بھی باتیں کی ہوں گی لیکن میرا ذہن اس شعر میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ اگلے روز میں نے کہیں سے رفعت عباس کا نمبر لے کر فون کیا۔ پہلا تاثر ہی ایک خوبصورت، محبتوں میں شرابور شخص کا تھا۔ میری درخواست پر انہوں نے مجھے اپنی کتابیں بھجوائیں۔

جوں جوں میں کتابوں کا مطالعہ کرتا گیا رفعت عباس کی شخصیت تہہ در تہہ مجھ پر منکشف ہوتی گئی۔ ایک سچے تخلیق کار کی طرح رفعت عباس نت نئے تجربوں سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کا سامان مہیا کرتا ہے۔ تخلیق کی یہ بے قراری اور ندرت رفعت کے ہاں درجۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ ادب کی جتنی اصناف میں اس نے تجربے کیے یہ اسی کا حصہ ہے۔ اس کی پہلی کتاب "پڑ چھیاں اُتے پھُل" (چٹائیوں پر پھول) اس کی غزلوں کا مجموعہ تھی، جو 1984 میں شائع ہوئی اور اپنی اشاعت کے ساتھ ہی سرائیکی ادب میں اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلایا۔ یہ شاعری میں ایک منفرد اسلوب تھا، نہ کہا ہوا نہ سنا ہوا۔ اس کے ٹھیک پانچ سال بعد اس کی نظموں کا مجموعہ آیا "جھومری جُھم تُرے" یہ نانک کی نظمیں تھیں جن کا انداز جداگانہ تھا۔ تیسری کتاب "بھوندی بھوئیں تے" ایک نئے ذائقے کی نظموں پر مشتمل تھی۔ پھر ایک اور چونکا دینے والی کتاب "سنگت وید" نے رفعت کے شعور اور فن کے ایک اور گوشے سے روشناس کرایا۔ لیکن اس کی سیمابی طبیعت اپنے وسعتِ بیاں کے لیے نئے افق تلاش کر رہی تھی۔ اگلی کتاب "منتر" ایک نیا شعری تجربہ تھا۔ رفعت ایک کے بعد ایک شعری امکان کا در وا کر رہا تھا۔ اس کی اگلی کتاب ایک طویل نظم "پرو بھرے ہک شہر اچوں" (دور افتادہ شہر سے) پر مبنی تھی۔ اب رفعت کے فنی سفر میں ایک نیا موڑ آیا اور اس نے اوپر تلے کافیوں کی دو کتابیں "ہنجھ آدم دا" اور "عشق اللہ سئیں جاگیا" شائع کیں۔ اس سے اگلی کتاب "مابولی دا باغ" تھی۔ ایک بار پھر غزل کی دیوی اسے اپنی طرف بلانے لگی اور ہمیں اس کی خوب صورت غزلیں "ایں نارنگی اندر" دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کی تازہ ترین کتاب نئی طرز کی حکایات پر مبنی ہے اور اس کا نام "مچھیاں دا مُنگھا" ہے۔ ایک روز خبر آئی کہ رفعت عباس نے پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگویج آرٹ کلچر کی طرف سے پرائڈ آف پنجابی کا ایوارڈ لینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس ایوارڈ کے ہمراہ ایک خطیر رقم بھی دی جاتی ہے۔ رفعت عباس کا کہنا تھا کہ وہ سرائیکی زبان کا شاعر ہے اور سرائیکی کی پنجابی زبان سے الگ اپنی پہچان ہے۔ رفعت کے اس فیصلے کو سرائیکی زبان بولنے والے علاقوں میں خوب پذیرائی ملی۔ رفعت کے بارے میں اتنا کچھ جاننے کے بعد میرے اندر شدت سے خواہش بیدار ہوئی کہ شعری تجربوں کے مالک اس شاعر سے ملا جائے۔ اس کا بھی جلد انتظام ہو گیا۔ ایک کام کے سلسلے میں ملتان جانے کا اتفاق ہوا۔ میں بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے گیسٹ روم میں ٹھہرا ہوا تھا۔ سوچا ملتان آیا ہوں تو رفعت عباس سے ملاقات ہونی چاہیے۔ میں نے رفعت کا نمبر ملایا تو پتہ چلا وہ بہاولپور میں ہے۔ مجھے تھوڑی سی مایوسی ہوئی لیکن اس نے بتایا کہ وہ شام تک ملتان پہنچ

PDF Compressor Free Version

جائے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوں۔ شاید میں نے اسے کمرے کا نمبر بھی بتایا تھا۔ فون کے بعد میں کمرے میں بستر پر لیٹ کر پالو کوہلو کی کتاب By the River Piedra I Sat Down and Wept پڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں کمرے کی کھڑکی پر بارش کی آواز آئی۔ میں نے پردہ ہٹایا تو باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ فون سننے کے بعد میں کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر باہر کا منظر دیکھنے لگا۔ کہتے ہیں ملتان میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ ہاں غبار آلود آندھیاں ضرور چلتی ہیں لیکن آج ملتان بارش میں نہا رہا تھا اور میں کھڑکی سے ملتان کا اجلا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اچانک دور مجھے ایک شخص گیسٹ ہاؤس کی طرف آتا نظر آیا۔ وہ ہلکی ہلکی پھوار میں یوں چل رہا تھا جیسے اسے ارد گرد سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے ہاتھوں میں تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہی شخص باہر کھڑا تھا۔ اس نے بارش کی پھوار میں مہکتے ہوئے پھول مجھے دیتے ہوئے کہا 'رفعت عباس'۔ یہ رفعت عباس سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اب بھی اس کا تصور کرتا ہوں تو پھول اور بارش اس تصور کا حصہ ہوتے ہیں۔ وہ ملتان کا ایک خوش رنگ دن تھا۔ ہم نہر کے کنارے ایک ریستوران کے کھلے لان میں جا بیٹھے اور رفعت عباس کے شعروں کے پھول یہاں وہاں کھلنے لگے۔ آئیں آپ بھی اس چمن کی سیر کریں۔ رفعت کی شاعری میں ایک قدیم سرائیکی سرزمین اور اس میں بسنے والے لوگوں سے وابستگی سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ رفعت کی شاعری صرف حرف وصوت کی بازی گری نہیں بلکہ یہ اس کے ایمان کا حصہ ہے۔ رفعت کی شاعری کے کردار عام لوگ ہیں' جن کی زندگیاں طاقت کے مرکزوں سے دور بے رنگ حاشیوں میں گزرتی ہیں۔ رفعت کی شاعری انہیں لوگوں کے دکھ اور محرومیاں بیان کرتی ہے۔

پوری کھیڈ وچ ساڈا حصہ ایہو ہے بس رفعت
جڈݨ وی آوے بادشاہ آوے بتیاں ٻالݨ چاؤں

(پورے ناٹک میں ہمارا حصہ بس اتنا ہے کہ جونہی بادشاہ آئے ہم مشعلیں سر پہ اُٹھائیں)

یہ ان لوگوں کے دکھوں کی شاعری ہے جن کی خوشیوں کے قافلے کہیں راستوں میں کھو گئے ہیں۔ اب وہ ہیں اور نادیدہ مسرتوں کا نہ ختم ہونے والا انتظار۔ رفعت کے ہاں اسی انتظار کی جھلک نظر آتی ہے۔

اساں تاں شادیاں والے کجاوے جھل تے بیٹھے ہوئے ہیں
کتھاں رہ گیا ہوسی رفعت اوہ الغوزے والا

(ہم نے اپنے شادیوں والے کجاوے روک رکھے ہیں وہ الغوزے والا کہاں رہ گیا)

مجھے یقین ہے ایک دن یہ طویل انتظار ختم ہوگا اور وہ سنہری دن طلوع ہوگا جس کی چاپ رفعت کی شاعری میں سنائی دے رہی ہے۔

London View Chambers
... your barristers

Skilled in Capital Markets & Securities; proficient in Corporate Finance; expert in Banking regulation; specialist in Competition policy & legislation; experienced in Public Law judicial review challenges; professionally qualified as Barristers in England and Advocates in Pakistan–Welcome to London View champers.

Tel: 02071834797

e-mail: Clerks@londonviewchambers.co.uk

PDF Compressor Free Version

اُردو کے حرفِ تہجی کی صحیح تعداد کا مسئلہ

تحریر ڈاکٹر رؤف پاریکھ

☆...... بابائے اردو مولوی عبدالحق نے طے کیا کہ ہائیہ آوازوں (بھ، پھ، تھ وغیرہ) کو ظاہر کرنے والے حروف بھی حروفِ تہجی میں شامل ہیں

☆......شان الحق حقی نے اردو کے حروف تہجی کی تعداد ترپن (۵۳) قرار دی اور مقتدرہ قومی زبان نے چوّن (۵۴)

☆......☆......☆......

اردو میں کتنے حروفِ تہجی ہیں؟ اس مسئلے پر مختلف آرا رہی ہیں اور آج بھی کچھ لوگ اس سوال کو اٹھاتے رہتے ہیں۔ دراصل حروف تہجی کا مسئلہ لسانیات اور صوتیات سے جڑا ہوا ہے اور اسی کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لینا چاہیے۔ لسانیات اور صوتیات کے ماہرین کے مطابق حروفِ تہجی دراصل آوازوں کی علامات ہیں اور ان کا مقصد کسی زبان میں موجود آوازوں کو ظاہر کرنا ہے۔

بیسویں صدی کے ابتدائی بیس پچیس برسوں تک یہی خیال کیا جاتا تھا کہ اردو میں پینتیس (۳۵) یا چھتیس (۳۶) حروفِ تہجی ہیں اور اس زمانے کے ابتدائی اردو قاعدوں اور بچوں کو اردو سکھانے والی کتابوں میں یہی تعداد لکھی جاتی تھی۔ البتہ بعض کتابوں میں پہلے "مفرد" حروفِ تہجی لکھ کر بعد میں "مرکب" حروفِ تہجی لکھے جاتے تھے اور یہ طریقہ بعض کتابوں میں آج بھی ملتا ہے۔ یہ مرکب حروفِ تہجی کیا تھے؟ یہ دراصل ہائیہ یا ہکاری آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروفِ تہجی (یعنی بھ، پھ، تھ وغیرہ) تھے۔ ان آوازوں کو انگریزی میں aspirated sounds کہا جاتا ہے۔ مغرب میں جب جدید لسانیات کی بنیادیں سائنس پر استوار ہوئیں تو لسانیاتی اور صوتیاتی تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ یہ ہائیہ آوازیں (بھ، پھ، تھ وغیرہ) دراصل باقاعدہ، الگ اور منفرد آوازیں ہیں۔ گویا لسانیات کی زبان میں یہ الگ فونیم (phoneme) ہیں۔ لسانیاتی تجربہ گاہوں میں مشینوں کے ذریعے کی گئی جانچ نے بھی اس نظریے کو آج تک درست ثابت کیا ہے کہ وہ آوازیں جو ہوا کے ایک جھٹکے کے ساتھ مل کر ہمارے منھ سے نکلتی ہیں (بھ، پھ، تھ وغیرہ) وہ الگ آوازیں یا منفرد صوتیے (فونیم) ہیں اور ان آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروفِ تہجی بھی الگ حروف سمجھے جانے چاہئیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اردو میں اوکسفرڈ کی عظیم لغت کی طرز پر ایک ایسی کثیر جلدوں پر مبنی لغت بنائی جائے جس میں اردو کا ہر لفظ ہو اور ہر لفظ کے استعمال کی سند بھی شعر و ادب سے دی گئی ہو۔ اس منصوبے پر ۱۹۳۰ء میں کام شروع ہوا تو پہلا مسئلہ حروف تہجی کی تعداد اور ترتیب کا تھا کیونکہ اس کے بغیر کسی لغت میں الفاظ کی ترتیب طے نہیں کی جا سکتی۔ اردو کی پرانی لغات میں عام حروف اور ہائیہ آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروف (مثلاً ب اور بھ) میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا اور ان میں بعض الفاظ (مثلاً بہانا اور بھانا، بہر اور بھر، پہر اور پھر) ترتیب کے لحاظ سے ایک ساتھ ہی درج ہیں جو لسانیات کی رو سے غلط ہے اور قاری کے لیے بھی الجھن کا باعث ہے۔ لہٰذا بابائے اردو نے طے کیا کہ اردو کی ہائیہ آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروفِ تہجی کو بھی الگ حرف مانا جائے اور لغت میں ان کی الگ تقطیع قائم کر کے ان کی ترتیب غیر ہائیہ حروف کے بعد رکھی جائے، مثال کے طور پر جب "ب" سے شروع ہونے والے تمام الفاظ کا لغت میں اندراج ہو جائے تو "بھ" سے شروع ہونے والے الفاظ لکھے جائیں، و علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس طرح مولوی عبدالحق وہ پہلے لغت نویس تھے جنھوں نے ان ہائیہ آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروف (بھ، پھ وغیرہ) کو باقاعدہ الگ حرف مان کر اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد اور ترتیب درست کی۔ اردو میں ان ہائیہ حروف کی تعداد پندرہ (۱۵) ہے اور یہ بھی اردو کے حروفِ تہجی میں شامل ہیں۔

قیام پاکستان سے قبل اردو لغت کا یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا۔ اس عظیم لغت کے منصوبے کو حکومت پاکستان نے اردو لغت بورڈ کے تحت از سر نو شروع کیا۔ شان الحق حقی نے بطور معتمد (سیکریٹری) بورڈ کی لغت کے منصوبے کو آگے بڑھانا شروع کیا تو علم لسانیات سے واقفیت کی بنا پر بابائے اردو کی طے کردہ اردو حروفِ تہجی کی تعداد اور ترتیب سے اتفاق کرتے ہوئے اردو کے ہائیہ حروف کو بھی اس میں شامل کیا۔ اس طرح عربی کے اٹھائیس (۲۸) حروف، فارسی کے مزید چار (۴) حروف (یعنی پ۔ چ۔ ژ۔ گ)، اردو کی معکوسی آوازوں (یعنی ٹ۔ ڈ۔ ڑ) کو ظاہر کرنے والے تین (۳) حروف، اردو کی ہائیہ آوازوں کو ظاہر کرنے والے پندرہ (۱۵) حروف، الف ممدودہ (یعنی الف مدآ) اور ہمزہ (ء) کے علاوہ بڑی "ے" کو بھی الگ سے حرفِ تہجی شمار کیا کیونکہ اردو میں یائے مجہول (یعنی بڑی "ے") کا الگ استعمال

ہے۔اس طرح اردو کے حروف تہجی کی کل تعداد "الف" سے لے کر "ے" تک ترپن (۵۳) ہوگئی جن کو ترتیب سے یہاں لکھا جاتا ہے:

ا۔آ۔ب۔بھ۔پ۔پھ۔ت۔تھ۔ٹ۔ٹھ۔ث۔ج۔جھ۔چ۔چھ۔ح۔خ۔د۔

دھ۔ڈ۔ڈھ۔ذ۔ر۔رھ۔ڑ۔ڑھ۔ز۔ژ۔س۔ش۔ص۔ض۔ط۔ظ۔ع۔غ۔ف۔

ق۔ک۔کھ۔گ۔گھ۔ل۔لھ۔م۔مھ۔ن۔نھ۔و۔ہ۔ء۔ی۔ے

ان میں شامل حروف لھ، مھ، نھ وغیرہ باقاعدہ حروف تہجی ہیں کیونکہ وہ اردو کی بعض آوازوں کو ظاہر کرتے ہیں۔اسی لیے ننھا،تمھارا،جنھیں اور چولھا جیسے الفاظ میں دو چشمی ھ لکھنی چاہیے ورنہ ان کا املا غلط ہوجائے گا (ان الفاظ کے املا میں دو چشمی ھ کے استعمال پر تفصیلی گفتگو پھر کبھی سہی)۔

(محترم مدیران سے درخواست ہے کہ یہاں ان الفاظ مثلاً تمھارا، جنھیں وغیرہ کو دو چشمی ھ ہی سے لکھا رہنے دیجیے، خواہ آپ اس املا سے اتفاق نہ کرتے ہوں، ورنہ ساری بحث بے کار ہوجائے گی۔شکریہ)

اردو کے حروف تہجی کی صحیح تعداد اردو لغت بورڈ میں شان الحق حقی نے ترپن (۵۳) طے کی اور اسی ترتیب اور تعداد کی بنیاد پر اردو کی بائیس (۲۲) جلدوں پر مبنی لغت باون (۵۲) سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب اور شائع کی گئی۔البتہ دور جدید میں کمپیوٹر آنے کے بعد جب مشینی کتابت میں نون غنے (ں) کی وجہ سے مسئلہ ہونے لگا تو مقتدرہ قومی زبان (جس کا نام اب ادارہ فروغ قومی زبان ہوگیا ہے) نے اپنے صدر نشین افتخار عارف صاحب کی نگرانی میں ایک مجلس (کمیٹی) بنائی جس نے یہ طے کیا کہ نون غنے (ں) کو بھی ایک حرف تسلیم کیا جائے تاکہ ایک معیاری (اسٹینڈرڈ) کلیدی تختے (یعنی key بورڈ) کی مدد سے جب عالمی سطح پر اردو کو فون اور کمپیوٹر میں استعمال کیا جائے تو کوئی الجھن نہ ہو۔اس طرح اردو کے حروف تہجی میں ترتیب کے لحاظ سے نون (ن) کے بعد نون غنے (ں) کا اضافہ کرنا پڑا۔اس اضافے سے ان حروف کی کُل تعداد چوّن (۵۴) ہوگئی ہے اور اب اسی کو سرکاری طور پر درست تسلیم کیا جاتا ہے۔گویا اردو کے حروف تہجی کی صحیح تعداد چوّن (۵۴) ہے۔(بشکریہ جنگ نیوز)

کچھ دن پہلے DGISPR نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ ہمارا دشمن یعنی انڈیا بے وقوف ہے۔یہ بہت معنی خیز جملہ تھا کسی نے اس جملے کے خدوخال پر توجہ نہیں دی مگر اصل میں یہ بہت گہری بات تھی اور اس میں انڈیا کے لئے پورا سبق ہے۔

گریٹر اسرائیل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے امریکہ اسرائیل نے پوری اسلامی دنیا کو تخت وتاراج کر دیا اب صرف دو ایسے اسلامی ممالک باقی ہے جو گریٹر اسرائیل کی راہ میں رکاوٹ ہیں پاکستان اور ترکی، اسرائیل اور امریکہ نے افغانستان میں بیٹھ کر پچھلے 17 سال سے پاکستان کو گھیرنے کی کوشش کی مگر پاک فوج اور ائی ایس آئی نے ان کی ایک بھی چال کامیاب نہ ہونے دی اور ان کو ایک مشکل ترین اور صبر آزما خفیہ جنگ میں شکست دے دی۔

اب لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ امریکہ اپنی شکست کو اتنی اسانی سے بھول جائے گا اور پاکستان کو ارام سے بیٹھنے دے گا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میدان جنگ میں امریکہ شکست کھانے کے بعد اب دوسرا طریقہ استعمال کر رہا ہے اسرائیل اور امریکہ نے اب انڈیا کو پاکستان کے خلاف بھڑکا یا ہے اور مودی کو اقتدار کا لالچ دے کر پاکستان پر جنگ مسلط کرنے پر اکسایا ہے۔

کیونکہ امریکہ اسرائیل کو پتہ لگ گیا ہے کہ پاکستان میں اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ ہی امن کے ساتھ معاشی انقلاب بھی انے والا ہے اور اگر پاکستان 5 سال تک اسی طرح امن کے ساتھ رہا تو وہ دنیا کی بڑی طاقت بن جائے گا۔کیونکہ اس وقت دنیا کی معیشت کا مرکز پاکستان بن گیا ہے روس، چائنہ اور عرب ممالک سارے پاکستان کی جھولی میں آ گرے ہیں (یورا یورپ بھی بہت جلد گرنے والا ہے) ان کے مفادات پاکستان کے امن اور سٹیبلیٹی سے منسلک ہو گئے ہیں۔

ڈی جی ISPR نے یہ جملہ اس لئے کہا کہ انڈیا کو یہ اندازہ نہیں کہ وہ امریکہ اسرائیل کے کہنے پر پاکستان پر جنگ تو مسلط کرے گا مگر اس کا انجام انڈیا کو بھگتنا ہوگا۔ان کو شاید احساس نہیں کہ انڈیا کا چپا چپا پاکستان کے میزائلوں کے نشانے پر ہے یہ جنگ انڈیا کو تباہ و برباد کر دے گا کیا یہ بے وقوفی نہیں کہ امریکہ کے کہنے پر انڈیا اپنے ہی ملک کو تباہ کر رہا ہے؟

کیا یہ بے وقوفی نہیں کہ انڈیا اتنا سوچ نہیں رہا کہ امریکہ افغانستان میں بیٹھ کر پاکستان کو شکست نہیں دے سکا تو انڈیا کیا چیز ہے جو پاکستان کو شکست دے گا۔

Lahore International Magazine
Instagram: @lahoreintl
Twitter : @lahoreintl
Facebook: lahoreinternational
YouTube: lahoreinternational
Google+: lahoreintl
Contact: +447940077825
Whatsapp: +447940077825
Email: lahoreintlondon@gmail.com

PDF Compressor Free Version

PDF Compressor Free Version

اردو زبان امریکہ میں بن رہی ہے؟

تحریر ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی

ہندوستان میں ہندوستانی زبان اردو خواہ بے روزگاری کی علامت بنتی جا رہی ہو لیکن امریکہ میں اب اردو زبان روزگار کا ذریعہ بنتی جا رہی ہے۔ حکومت امریکہ کی دلچسپی اردو زبان کو فروغ دینے میں کافی بڑھ گئی ہے اور روزگار کے سبب امریکہ کی نئی نسل بھی اردو زبان میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ یہ پروفیسر افروز تاج اور پروفیسر جان کالڈویل کا کہنا ہے جو یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا میں صدر شعبہ اردو ہندی ایشین اسٹڈیز (امریکہ) ہیں۔ پروفیسر افروز تاج گزشتہ تیس سال مشی گن امریکہ میں ہندوستانی اردو زبان کو فروغ دینے کے لئے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

امریکی اردو اسکالر پروفیسر جان انہی کے شاگرد ہیں اور پروفیسر جان جیسے کئی امریکی نوجوان اردو زبان میں اپنا کیریئر بنا چکے ہیں نیز اردو کو فروغ دینے میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر افروز تاج اور پروفیسر جان کالڈویل گزشتہ دو مہینے سے ہندوستانی دورے پر ہیں۔ وہ اپنے بارہ 12 امریکی اردو شاگردوں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ شاگرد ان کورس پورا کر کے امریکہ واپس لوٹ گئے لیکن پروفیسر افروز اور پروفیسر جان اب کچھ تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ پروفیسر افروز تاج کا کہنا ہے کہ وہ گزشتہ بائیس سال سے امریکہ کے شعبہ اردو ہندی کے طالب علموں کو ہندوستان کا دورہ کروا رہے ہیں۔ یعنی اب تک اردو زبان کے سینکڑوں طالب علموں کو ہندوستان کا دورہ کرا چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اشتہار دیتے ہیں جس کی بنیاد پر چالیس سے پچاس درخواستیں موصول ہوتی ہیں چنانچہ ان میں سے ہم دس سے بارہ طالب علموں کا انتخاب کرتے ہیں او رہندوستان کا دورہ کراتے ہیں۔ پروفیسر افروز تاج نے کہا کہ امریکی حکومت اس وقت اردو زبان کے فروغ کے لئے کافی پیسے خرچ کر رہی ہے کیونکہ اردو برصغیر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کی اہم زبان بن چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب بھی امریکہ میں پانچ سے چھ اردو زبان کے ادبی رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ اردو زبان کے سیمینار اور نشستیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ اردو کی نئی بستیوں کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر افروز تاج نے کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ نقل مکانی کر کے امریکہ پہنچے وہ تو اردو زبان سے واقف تھے لیکن ان کے بچے اردو سے دور رہے، کچھ گھروں میں اردو آج بھی ہے، نوجوان اردو بولتے ہیں لیکن رسم الخط رومن ہے۔ اکیڈیمک کے علاوہ کیا گھروں میں بھی اردو زبان پہنچ رہی ہے؟ اس سوال پر پروفیسر افروز تاج نے کہا کہ امریکہ میں اردو زبان محلہ کی زبان نہیں بن سکتی جیسا کہ ہندوستان اور پاکستان میں ہے۔ لیکن مقبول ادب، فلمیں ڈرامے، سیریلس وغیرہ کے سبب یہ زبان مقبول ہو رہی ہے۔ پروفیسر جان کا اردو زبان سے کیسے رشتہ جڑا یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ انہیں موسیقی سے دلچسپی ہے چنانچہ ان کی ملاقات پروفیسر افروز تاج سے ہوئی جو ان کے شاگرد ہو گئے اور آج اردو زبان کے پروفیسر ہیں۔ پروفیسر جان نے نہ صرف دہلی میں اردو کی گلیوں کی خاک چھانی ہے بلکہ وہ ہندوستان اور پاکستان کا ہر سال دورہ کرتے ہوئے نئے نئے تجربات حاصل کرتے ہیں۔ انہیں موسیقی سے متعلق اردو ادب سے کافی دلچسپی ہے جبکہ پروفیسر افروز تاج مقبول ادب یا پاپولر ادب پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ "شمع"، بیسویں صدی جیسے مقبول رہ چکے رسائل پر ان کی گہری نظر ہے اور وہ انہیں جمع کر رہے ہیں۔ اردو کی ادبی دنیا خواہ مقبول ادب کو نظر انداز کر دے لیکن پروفیسر افروز تاج کی نظر میں ان کی بڑی قدر و قیمت ہے چنانچہ وہ بڑی موٹی قیمت ادا کر کے انہیں جمع کر رہے ہیں۔ پروفیسر افروز تاج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طالب علم رہے ہیں اور غالباً ۱۹۸۳ء سے امریکہ میں رہ رہے ہیں۔ پروفیسر جان کا کہنا ہے کہ امریکہ سے جو طالب علم ہندوستان آتے ہیں وہ صرف زبان نہیں بلکہ یہاں کی گنگا جمنی تہذیب، ادب و آداب بھی سیکھتے ہیں نیز انہیں قریب سے دیکھتے ہیں۔ پروفیسر جان کا کہنا ہے کہ پروفیسر افروز تاج صرف ہم لوگوں کو زبان نہیں سکھاتے بلکہ اردو کی پوری تہذیب سے ہمیں واقف کراتے ہیں۔

PDF Compressor Free Version

شعر و شاعری

فلاح شمس

وہ ہے جو مشکلوں میں مجھے پار کر گیا
رگ رگ کو میری پیار سے سرشار کر گی
تھا میرا ظرف کم کہ جو مانگا بہت ہی کم
فضلوں کی وہ تو مجھ پہ ہے بھر مار کر گیا
ہے اُس کا یہ کمال کہ اس کائنات میں
مجھ پہ وہ اپنی ذات کا اظہار کر گیا
مجھ کو پلا کے اک دفعہ کوثر کے جام سے
دُنیا کے میکدوں سے وہ بیزار کر گیا
مجھ کو پلا کے اک دفعہ کوثر کے جام سے
دُنیا کے میکدوں سے وہ بیزار کر گیا
جس کو میں ڈھونڈتا تھا کہیں آسمان میں
میرے ہی دل میں آ کے وہ گفتار کر گیا
اُس کا کرم ہے جب بھی اُسے بھولنے لگا
وہ پھر سے مجھ پہ خود کو نمودار کر گیا
اب اُس کے در سے شمس اٹھیں ہم تو کسطرح
وہ کب سے ہم کو اپنا پرستار کر گیا

غزل

سید طاہر احمد زاہد

زمیں پہ ایسے عذاب اترے
لہو میں ڈوبے گلاب اترے
ابھی ہے وہم و گماں کا عالم
نقاب اندر نقاب اترے
فقط ہے ٹولہ یہ وحشیوں کا
کوئی تو انساں جناب اترے
گزر گیا سو گزر گیا ہے
وہ پھر نہ عہد شباب اترے
حقیقتوں سے پرے تھے زاہد
جو میری آنکھوں میں خواب اترے

مجھے اپنے ضبط پہ ناز تھا سر بزم رات یہ کیا ہوا

اقبال عظیم

مجھے اپنے ضبط پہ ناز تھا سر بزم رات یہ کیا ہوا
مری آنکھ کیسے چھلک گئی مجھے رنج ہے یہ برا ہوا
مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں
ابھی روشنی ابھی تیرگی نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا
مجھے جو بھی دشمن جاں ملا وہی پختہ کار جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی نہ کسی کا تیر خطا ہوا
مجھے آپ کیوں نہ سمجھ سکے یہ خود اپنے دل ہی سے پوچھیے
مری داستان حیات کا تو ورق ورق ہے کھلا ہوا
جو نظر بچا کے گزر گئے مرے سامنے سے ابھی ابھی
یہ مرے ہی شہر کے لوگ تھے مرے گھر سے گھر ہے ملا ہوا
ہمیں اس کا کوئی بھی حق نہیں کہ شریک بزم خلوص ہوں
نہ ہمارے پاس نقاب ہے نہ کچھ آستیں میں چھپا ہوا
مجھے اک گلی میں پڑا ہوا کسی بد نصیب کا خط ملا
کہیں خون دل سے لکھا ہوا کہیں آنسوؤں سے مٹا ہوا
مجھے ہم سفر بھی ملا کوئی تو شکستہ حال مری طرح
کئی منزلوں کا تھکا ہوا کہیں راستوں میں لٹا ہوا
ہمیں اپنے گھر سے چلے ہوئے سر راہ عمر گزر گئی
کوئی جستجو کا صلہ ملا نہ سفر کا حق ہی ادا ہوا

PDF Compressor Free Version

نہیں سہل ہوتا بھلانا وطن کو!

طاہرہ زرتشت ناز

خدایا عدو سے بچانا وطن کو
بلاؤں سے تُو ہی چھڑانا وطن کو
اُگاتے ہیں نفرت کے کانٹے ہر اک سو
شریروں کے شر سے بچانا وطن کو
لٹیروں نے جی بھر کے لوٹا مسلسل
شکنجے سے ان کے چھڑانا وطن کو
کبھی زرد موسم کے سائے نہ دیکھے
بہاروں گلے سے لگانا وطن کو
ہے مشکل سفر راست بھی کٹھن ہے
دعاؤں سے اب ہے بچانا وطن کو
نہ جانے کب آئیں خوشی کے وہ موسم
ہمارا ہو بے خوف جانا وطن کو
قیامت کے دن تھے قیامت کی راتیں
پڑا جب ہمیں چھوڑ آنا وطن کو
بہائے ہیں ہر روز سجدوں میں آنسو
دعا کا دیا ہے خزانہ وطن کو
صدی کے برابر ہوئے سال لمبے
نہیں سہل ہوتا بھلانا وطن کو
بدل جائے گی رُت ہم آئیں گے اک دن
ہمیں نے ہے آخر بتانا وطن کو

دیا جیم

ہر آنکھ سسکتی ہوئی نم دیکھ رہے ہیں
اے وادیٔ کشمیر ستم دیکھ رہے ہیں
وہ وقت نہیں دور کہ جب گائیں گے نغمے
آزادیٔ کشمیر کو ہم دیکھ رہے ہیں
تم آگے بڑھو ساتھ تمہارے ہیں سبھی ہم
اور نعرہ تکبیر بہم دیکھ رہے ہیں
مظلوم کی آہیں نئی للکار بنی ہیں
ظالم ترے سر کو وہاں خم دیکھ رہے ہیں
اس وقت کے ہاتھوں کبھی گھبراؤ نہیں تم
چہرے پہ لرزتا ہوا غم دیکھ رہے ہیں
اک آپ کی وادی میں ہی جاری نہیں نفرت
آزاد فضاؤں میں بھی سم دیکھ رہے ہیں
اس آنکھ کی پتلی کا دیا زخمی ہوا ہے
اس واسطے کچھ لوگ بھی کم دیکھ رہے ہیں

فوزی بٹ

میرے دل بیچارے کی بات کون کرتا ہے
ٹوٹتے ستارے کی بات کون کرتا ہے
شہر میں بسیرے ہیں اس جدید دنیا کے
اب ندی کنارے کی بات کون کرتا ہے
غم گزیدہ لوگوں سے جان سب چھڑاتے ہیں
آنسوؤں کے دھارے کی بات کون کرتا ہے
ہنستے ہنستے جان و دل اپنا ہار دیتے ہیں
عشق میں خسارے کی بات کون کرتا ہے
چاند جب چمکتا ہے چاندنی چھٹکتی ہے
دھندلے سے ستارے کی بات کون کرتا ہے
جانچتے ہیں سب رشتے اب تو مال و دولت پر
اب تو استعارے کی بات کون کرتا ہے
کون جان پایا دل کے اب نہاں جذبے
راکھ میں شرارے کی بات کون کرتا ہے
پل دو پل ہی تھامیں تو ہاتھ فوزی کا جانم
دائمی سہارے کی بات کون کرتا ہے

PDF Compressor Free Version

عشق کے مسافر

تحریر: بشریٰ مختیار خان

آسمان سرخ تھا اور کنارے سیاہ، زمین خشک تھی اور زرد پتے پورے ماحول کو ایک پراسراریت نواز رہے تھے، ہوا میں خنکی تھی اور چائے خانوں سے لوگ نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے تھے، مسافروں میں ایک خامی ہوتی ہے کہ وہ منزل راہ میں چھوڑ کر سفر پہ چل پڑتے ہیں، وہ ہمسفر ڈھونڈتے ہیں پھر انہیں راہ میں چھوڑ جاتے ہیں، خوابوں کو تکیہ بنا کر سونے والے کتنی آنکھوں کی نیندوں سے ناواقف ہوتے ہیں، رستوں پہ کھڑے درختوں پہ لگی نشانیاں دیواروں پہ لکھے نام بسوں کے پیچھے بھاگتے پاگل اور روڈ پر پڑے بکھرے کاغذات سب ہی کسی نہ کسی کہانی کو بیان کرتے ہیں۔

عشق اور محبت کرنے والے مسافروں کی طرح ہوتے ہیں، منزل راہ میں چھوڑ کر کسی اور فریب کو منزل سمجھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کے سائے کو دیکھ دیکھ کر چلنے والے ان کے ہمسفر ان کے پیچھے اسی مقام پہ خیمے لگا کر ہمیشہ کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں مسافر رک جاتے اور عشق سفر کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ مسافر اگر کہیں جا کر اپنا مقصد پا بھی لیں تو ان کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ اپنا آپ پیچھے کہیں چھوڑ آئے ہیں جہاں اس کی رکھوالی کے لیے کسی نے عمر گزار دی، ان کی خوشبو کی حفاظت کرتے کرتے کوئی بے رنگ ہو گیا ان کے خوابوں کی حدود میں کتنی ہی سلطنتوں سے محروم ہو گیا کوئی ان کے پیار میں اپنے چاہنے والوں کو چھوڑ آیا کسی نے ان کو دیکھنے کی خواہش میں اپنی آنکھیں ان کے ساتھ روانہ کر دی اور اب تاریکی میں زندگی گزار رہا ہے کسی نے ان کی راہ سے پتھر ہٹاتے ہٹاتے اپنا آپ ہی سائیڈ پہ کر دیا کسی نے ان کے مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے کتنے مقاصد چھوڑ دیے، کسی نے ان کے ایک دکھ کے مداوے کے لیے زمانے بھر کے دکھ گود لے لیے لیکن یہ چھوڑ جانے والے کہاں جانتے ہیں۔

پیار کو حماقت کہنے والے بھی کمال حوصلہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پیار سب کچھ ہے پیار کی وجہ سے وہ اپنا سب کچھ کھو چکے ہوتے ہیں پیار کے لیے سب کچھ داؤ پہ لگا چکے ہوتے ہیں پیار کے لیے اپنا آپ گنوا چکے ہوتے ہیں لیکن پیار پھر بھی ان کے لیے نہیں ہوتا، زندگی کا اصول ہی کچھ الگ ہے۔

عمر کٹتی ہے کسی اور کے شانوں پہ مگر
وقت بے رحم کسی اور کا کر دیتا ہے

کتنی جلدی سب کچھ بدل جاتا ہے کتنی جلدی وقت بدل جاتا ہے کتنی جلدی ضرورتیں ترجیحات خواہشیں خواب رنگ موسم سب کچھ کتنی جلدی بدل جاتا ہے اور پھر ہم اپنے آپ کو پرانا تصور کرنے لگتے ہیں اپنے آپ کو بے کار اور آؤٹ آف ڈیٹ سمجھنے لگتے ہیں اور اس کیفیت کے بعد عشق کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے جو مسلسل ناکامی اور آزمائش کے بعد کہیں کا نہیں چھوڑتا۔

ہاتھوں کو ہاتھوں میں تھام کر کتنی صدیوں کا سفر کتنی سرعت سے ہو جاتا ہے یہ آپ نہیں سمجھ سکتے آپ نہیں جانتے کہ وقت گھڑی کی سوئیوں کا محتاج نہیں بعض اوقات ہر سیکنڈ ایک صدی کا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ہر دن ایک پل کے برابر لیکن آنکھیں اور آسمان گواہ رہتے ہیں، آنکھوں کو اس قدر پرانا سمجھیے کہ وہ اس بھی موجود تھیں جب جسم کا وجود نہ تھا اور آسمان کو بھی اس قدر قدیم سمجھیے کہ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب بلندی کا تصور بھی نہ تھا، کتنے ہی قصے کتنی کہانیاں ہیں جو صرف ستاروں نے سنائیں اور آنکھوں نے سنیں. سماعت کا تعلق کانوں سے نہیں احساس سے، کبھی تو کتنی زوردار چیخیں بھی سنائی نہیں دیتیں اور کبھی کبھار خاموش آنکھیں بھی تمام احوال بیان کر دیتی ہیں۔

پیار کرنے اور پیار پانے میں بہت فرق ہے. پیار کرنا پیار پا لینے سے زیادہ عظیم ہے. پیار کرنے والوں کو پیار کے حصول سے زیادہ پیار کی حرمت کا خیال ہوتا ہے، پیار پانا مشکل نہیں، یہ تو دو لکیروں کے باہر بیٹھے پیار کرنے والوں کی مثال ہے کہ وہ کب اس لکیر کو پار کر کے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں لیکن یہی لکیر پار نہ کرنا ہی پیار کی حرمت کا خیال ہوتا ہے، زمانے کو خبر نہیں کہ احساس کیا ہے محبت کیا ہے پیار کیا ہے وہ ثبوت اور دلائل کی بات کرتا ہے اور عشق ایک ایسا جرم ہے جو اپنا کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا اور پھر یوں ہوتا ہے کہ پیار کرنے والے اپنا عشق ثابت نہیں کر پاتے زمانہ سزا سنا دیتا ہے عشق چپکے سے ہارے ہوئے وکیل کی طرح باہر نکل جاتا ہے اور عشق کے خطاوار پوری زندگی اس کٹہرے میں کھڑے اپنے خالی ہاتھوں کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔

PDF Compressor Free Version

SAAMS FUNCTION HALL

Catering & Event Management

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

We also provide live Barbecue Function services in your Garden or Our Garden please inquire for details

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Mob:07883 815195 (Khalid Mahmood)

Mob: 07506 952105 (Naeem Chatha)

6-12 London Road Morden London

SM4 5BQ

Tel: 020 8640 0700

Email: saamshalluk@gmail.com

www.saamshall.co.pk

Under New Management
Newly Refurbished function Hall